محمد بن عبد الوہاب

ایک مظلوم اور بدنام مصلح

مسعود عالم ندوی

دار الاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدر آباد دکن

محمدؐ بن عبدالوہاب

ایک مظلوم اور بدنام مصلح

جس میں بارہویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن
عبدالوہاب نجدیؒ کی سیرت اور دعوت پر تحقیقی روشنی ڈالی گئی ہے
اور غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی تردید کی گئی ہے اور جس میں مشرق
ومغرب کے تمام ماخذ کو پوری طرح کھنگال کران پر بے لاگ تنقید کی گئی ہے

تالیف

مسعود عالم ندوی

دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن

ب

اشاعت اوّل   مارچ ۱۹۴۶ء   تعداد (۱۰۰۰)

مطبوعہ

صحیفہ برقی مشین پریس حیدرآباد دکن

قیمت (عـہ)
۱۲/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معذرت

یہ کتاب سنہ ۶۱ھ (سنہ ۴۲-۴۱ء) میں تالیف ہوئی اور اب چار برس کے بعد طبع ہو رہی ہے۔ تاخیر کی وجہ تقریب سے معلوم ہو گی۔ لیکن بدقسمتی نے اب بھی ساتھ نہیں چھوڑا۔ کاغذ کی کمیابی کے باعث حیدرآباد (دکن) میں ایک دوست کے ذمہ یہ کام کیا گیا، اور غلطی سے کاپیوں کی تصحیح اور پروف کی دیکھ بھال کے لئے بھی اُن پر اعتماد کیا گیا۔ مسودہ، جمادی الآخرہ سنہ ۶۴ھ (مئی سنہ ۴۵ء) میں حیدرآباد بھیجا گیا، اور متعدد تقاضوں اور مسلسل "درخواستوں" کے بعد ربیع الآخر سنہ ۶۵ھ (مارچ سنہ ۴۶ء) کے دوسرے ہفتے سے مطبوعہ اوراق وصول ہونا شروع ہوئے۔ نظر ڈالی، تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ــــ کتابت حد درجہ خراب، طریقِ املا ناقص اور فرسودہ، انگریزی 'اعلام' بدنما اور مسخ شدہ ــــ ان سب پر مستزاد 'اغلاط کتابت' کی بھرمار، ایک ایک صفحہ میں تین تین چار چار فاش غلطیاں ــــ ایک مریض و ناتواں طالب علم نے سالہاسال کی محنت اور خرمن خرمن کی خوشہ چینی کے

بعد ایک نیا خرمن سجانے کی کوشش کی۔ لیکن قسمت میں "نامرادی" ہی لکھی تھی۔ سر پکڑ کر رہ گیا۔ اور پھر چونکہ یہ صدمہ ایک دوست اور رفیق کی بے توجہی اور تغافل شعاری کی بدولت پہنچا، اس لئے جی بھر کر رونے اور کراہنے کی بھی ہمت نہیں —— یہ سطریں لکھ رہا ہوں اور کسی کا یہ شعر بار بار زبان پر آ رہا ہے :

خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینے کو

بہرحال، جو ہو چکا، اس کی تلافی موجودہ حالات میں مشکل ہے۔ اہلِ علم اور ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ مؤلف کی مجبوریوں کو پیش نظر رکھ کر، کتاب کی ان ظاہری خامیوں سے درگذر فرمائیں۔ اور اگر تکلیف برداشت کی جا سکے، تو پڑھنے سے پہلے غلطیوں کی تصحیح کر لی جائے۔

'غلط نامہ' کتاب کے آخر میں منسلک ہے۔ اور اس کی کتابت بھی یہیں جالندھر میں کرائی گئی ہے۔ گو یہ غلط نامہ بھی 'جامع' نہیں کہا جا سکتا۔ 'املا' کی غلطیوں اور بعض معمولی فروگذاشتوں کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔

اسی سلسلے میں ایک دو اور ضروری گذارشیں بھی پیش نظر رہیں، تو مرتب شکر گذار ہو گا :

(i) اس کتاب میں "م" 'متوفی' کی علامت کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔ انگریزی میں "D" استعمال کرتے ہیں۔ اب ہم نے وفات کے لئے 'ف' اور ولادت کے لئے "م" کو ترجیح دی ہے۔

(ii) اعلام اور مقامات کے ناموں پر خط (——) کھینچنا مناسب ہوتا ہے، اور راقم اس پر عمل کرتا ہے، لیکن کاتب نے اس کا بالکل التزام نہیں رکھا۔

(iii) 'املا' کی بعض غلطیاں (جیسے 'خلاصہ' کو 'خلاصہ' اور 'فقیہ' کو 'فقیہہ' لکھنا) بہت عام ہیں۔ مجبوراً غلط نامہ میں کہیں کہیں نظر انداز کر دی گئیں۔

(iv) کاتب نے 'فواصل' (، ؛ :۔ " ' ' ؟) کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ مسودہ میں اس کا خاص اہتمام تھا۔ اس اہم فرو گذاشت کا تدارک بھی اب نہیں ہو سکتا۔ 'فواصل' کی کمی یا بے محل استعمال کے باعث بسا اوقات مطلب خبط ہو جاتا ہے۔

(v) ارادہ تھا کہ مطبوعہ فرمے موصول ہوں گے، تو ایک مکمل اشاریہ (Index) مرتب کر لیا جائے گا۔ خاص کر اس کتاب میں اشخاص اور مقامات کے انڈکس کی سخت ضرورت تھی۔ مگر جب غلطیوں سے بھری ہوئی کتاب سامنے آئی تو جی بیٹھ گیا، اور مزید کاوش کی ہمت نہ پڑی۔ اب اگر زندگی رہی، تو انشاء اللہ دوسرے اڈیشن میں یہ کمی پوری کر دی جائے گی۔

(vi) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ، یہ گنہگار مکمل

صلوٰۃ و سلام کا لکھنا ضروری خیال کرتا ہے، اور اس پر بفضلہ تعالیٰ عامل ہے۔ عراقی نے الفیتہ مصطلح الحدیث میں 'صلوٰۃ و سلام' کے 'حذف و رمز' دونوں سے منع کیا ہے:

واجتنب الرمز لہا والحذفا

نووی نے 'صلوٰۃ علی النبی' (صلی اللہ علیہ وسلم) کے 'نطق و کتابت' دونوں صورتوں میں مسنون ہونے پر اجماع نقل کیا ہے ــــــ مگر پھر بھی اس کتاب میں کہیں کہیں 'صلعم' کا 'رمز' استعمال ہو گیا ہے جس کا راقم کو دلی افسوس ہے۔ غالباً 'صلعم' کی اختراع نویں صدی ہجری میں ہوئی ہے۔

آخر میں برادر عزیز مولوی سید محمد قطبی حسینی کا شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتا ہوں، کہ ان کی امداد کے بغیر شاید غلط نامہ کی ترتیب میں بہت تاخیر ہو جاتی۔

عاجز

مسعود عالم ندوی

دار العروبہ۔ شہر جالندھر
مورخہ ۲۴ رجمادی الاولی ۱۳۶۵ھ

اِنتساب

اپنے استاذ، مربی اور مخدوم

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ العالی

کے نام

جن کی پدرانہ شفقت میری زندگی کے اتار چڑھاؤ کی نگہبان رہی ہے اور جن کی سرپرستی اور قیمتی مشوروں نے مجھ میں لکھنے پڑھنے کا مذاق پیدا کیا، اور اپنی طالب علمی کے گزشتہ بارہ تیرہ برسوں میں، جن کی ہدایتوں کا یکسر پابند رہا ہوں۔

اس حقیر طالب علمانہ کوشش کو معنون کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں

خاکپائے "سید"

مسعود عالم ندوی

پٹنہ

۲۰ ربیع الآخر ۱۳۶۱ھ

فہرست مضامین

ص

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریب

(۱)

قُدرت کے کارخانے بھی عجیب وغریب ہیں، لکھنے والے نے حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک تجدید وامامت اوراُن کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کی سرگزشت قلمبند کرنا چاہی اور مرتب ہوگئی، شیخ الاسلام محمدؒ بن عبدالوہاب کی سیرت: اُس "عجیب وغریب" واقعے کی مختصر سرگذشت یہ ہے کہ ۱۳۵ھ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دو طالب علموں نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ (رحمہما اللہ رحمۃ الابرار الصالحین المجاہدین من عبادہ) کی چلائی ہوئی تحریک تجدید وامامت کی مکمل تاریخ مرتب کی جائے، ایک نے حضرت سید صاحبؒ کی سیرت اپنے ذمہ لی اور دوسرے نے بالاکوٹ کے مشہد سے اپنا سفر شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ ——

دونوں نے اپنا اپنا کام شروع کیا، ان میں جو باہمت، صاحب دل اور سراپا اخلاص وجہاد تھا، اُس نے سیرت سید احمد شہید مرتب کرلی (۹ ۱۹۳ء) میرا اشارہ اپنے مخلص دوست مولانا ابوالحسن سید علی حسنی ندوی (استاذ تفسیر و ادب دار العلوم ندوۃ العلما) اور ان کی تصنیف سیرت سید احمد شہید کی طرف ہے جو اہلِ ذوق کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے، اور ایک قلیل مدت میں اس کے دو اڈیشن نکل چکے ہیں۔

دوسرے (راقم) نے بھی اپنا کام شروع کیا، لیکن قدم قدم پر رکاوٹیں پیش آئیں، نشانِ راہ دھندلا ہو چکا تھا، جاننے والے اور دیکھنے والے ابدی نیند سو چکے تھے۔ سننے والوں پر اب تک ہیبت طاری ہے ــــ لیکن قلم کا مسافر اپنی منزل کو نہیں بھولا، تلاش و جستجو کے ابتدائی نمونے مرحوم "الضیا" (شعبان ۱۳۵۴ھ۔ نومبر و دسمبر ۱۹۳۵ء: الحرکۃ الوھابیۃ السیاسۃ) اور "الہلال" پٹنہ (اپریل و مئی ۱۹۳۷ء: وہابیت ایک دینی و سیاسی تحریک) میں شائع ہوئے اور مخصوص حلقوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے گئے۔

دورانِ بحث و تحیص میں نجد کی وہابی تحریک (جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے) کا ذکر بار بار نظر سے گذرا اور ایسی غلط بیانیوں اور افترا پردازیوں سے دو چار ہوا کہ یارائے ضبط نہ رہا، سب سے بڑی غلط فہمی جس میں دوست اور دشمن دونوں مبتلا ہیں، یہ ہے کہ ہندوستان کی تحریک وہابیت یعنے حضرت سید صاحبؒ کی تحریک تجدید و امامت نجد کی وہابی تحریک ہی کی

ایک شاخ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دونوں تحریکوں کا ماخذ ایک مقصد ایک اور دونوں کے چلانے والے کتاب وسُنّت کے علمبردار اور یکساں سرگرم مجاہد تھے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر بالکل اٹل ہے کہ ایک کا دوسرے سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ یعنی ایک نے دوسرے کی تعلیمات سے بالکل فائدہ نہیں اُٹھایا۔ دونوں دعوتیں الگ الگ اپنے مخصوص ماحول اور مقتضا کے مطابق پھلیں اور پھولیں۔ اس لئے اصولی اتحاد (یعنے کتاب وسُنّت کی طرف لوٹنے کی دعوت) کے باوجود دونوں پر اپنے اپنے مخصوص مقامی اثرات کی چھاپ بھی محسوس ہوتی ہے۔ اور جزئیات میں ایک دوسرے سے کافی اختلاف بھی رکھتی ہیں۔ (جس کی تفصیل اپنی جگہ پر آئے گی)۔

ہم نے ابھی کہا کہ نجد کی تحریک دعوت وتجدید کے متعلق ایسی غلط بیانیاں نظر سے گزریں، کہ یارائے ضبط نہ رہا، اور اسی بے اختیاری میں عاجز نے زیرِ ترتیب کتاب کے دو حصّے کر دئیے، یہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی کی سیرت اور دعوت سے متعلق یہ صفحے، اس مجوزہ کتاب کی پہلی جلد کی حیثیت رکھتے ہیں، دوسری جلد ہندوستان کی تحریک تجدید وامامت کی مکمل تاریخ پر مشتمل ہو گی، جس میں حضرت سید صاحبؒ کی شہادت (۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) سے لے کر ۱۸۷۱ء تک کی تمام سرگرمیوں، قربانیوں اور خدمات کا گہرا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔ اللہ کے فضل سے پوری جماعت کی مکمل تاریخ کا مواد فراہم ہو چکا ہے اور سلسلہ اب تک جاری ہے، امید کرتا ہوں کہ ”ہندوستانی وہابیت“ (عرفِ عام کی زبان میں) کی تاریخ اب زیادہ وقت نہ لے گی۔

(۲)

اس سلسلے میں ایک چیز کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے "نجدی وھابیت" یا ہندوستانی وھابیت" کی تاریخ مرتب کرنے سے ہماری غرض اس بات کی تبلیغ نہیں کہ حق وصداقت انھیں دونوں جماعتوں میں محدود ہیں یا یہ کہ مختلف ادبی ومذہبی "اسکولوں" کی طرح، ان جماعتوں کو ہم ایک خاص مشرب یا اُسکول کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ ممکن ہے ان جماعتوں کے بعض سرگرم داعیوں یا پرجوش معتقدوں کا ایسا خیال ہو، لیکن ہم اس "تحزّب" کو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں حد درجہ مُضر سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک حق صرف کتاب وسنّت کی پیروی میں ہے، ہم رشد وہدایت کو کسی فقہی،(۱) مدرسی، یا ملکی، جماعت کا اجارہ نہیں سمجھتے، یہ نہ نجد کی زرخرید ہے نہ ہندوستان کی۔ اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات واضح اور نمایاں ہیں، جو ان پر ٹھیک ٹھیک چلے گا، وہ ہدایت وفلاح سے شادکام ہوگا۔

نجد اور ہندوستان کی ان دونوں جماعتوں کی تاریخ مرتب کرنے اور اُن کے دھندلے نقوش کے اُجاگر کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ بارھویں اور تیرھویں صدیوں کے دو مشہور مصلحوں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کی سیرت ہمارے آنکھوں کے سامنے آجائے، کہ ہم ان کی زندگیوں سے سبق حاصل کرسکیں، ہم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ ان صدیوں میں صرف یہی دو مصلح پیدا ہوئے۔ ہندوستان میں شاہ ولی اللہ دہلوی (سنہ ۱۱۱۴ھ۔ سنہ ۱۱۷۶ھ) اور

(۱) یعنی ہم "حق" کو نہ ائمہ اربعہ کی تقلید میں محصور سمجھتے ہیں، نہ دیوبند، ازہر یا ندوہ کے شیوخ اور

طرابلس میں محمد بن علی سنوسی (۱۲۰۲ھ/۱۷۸۷ء - ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء) بھی اپنی شانِ تجدید و اصلاح کے لحاظ سے انتہائی ممتاز حیثیت کے مالک ہیں، گو کہا جائے گا کہ حضرت سید صاحبؒ کی دعوت، حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی پکار کی آواز بازگشت تھی۔ یہ مان لینے کے بعد بھی حضرت سید صاحبؒ کی انفرادی خصوصیت باقی رہتی ہے، اسی طرح اصلاح و تجدید کے دوسرے رنگ میں، سید جمال الدین افغانی (م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) اور امیر عبدالقادر جزائری (م ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء) بھی ایک بڑی جماعت کی عقیدت و محبّت کا مرکز بنے ہوئے ہیں اور بجا طور پر۔——

اسی طرح ہم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ نجد اور ہندوستان کی یہ دونوں جماعتیں معصوم ہیں اور ان سے غلطیاں اور کوتاہیاں نہیں ہوئیں اہلِ نجد کے بارے میں تو غلو اور شدت کا شکوہ دوستوں کو بھی ہے۔ ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ یہ مخلص جماعتیں تھیں، جو اللہ کے نام پر اٹھیں اور اپنی استطاعت بھر اعلاء کلمۃ اللہ میں انھوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ آپ اس نظر سے ان کے کاموں کا جائزہ لیجئے، سُنی سنائی باتوں، دشمنوں اور جاہل مولویوں اور صوفیوں کے پروپگنڈے سے متاثر ہو کر غلط رائے قائم کر لینا طالب حق کا شیوہ نہیں ہو سکتا

ہم نے اس کتاب میں "رائے زنی" سے مقدور بھر احتیاط برتی ہے امکانی چھان بین، اور زیادہ سے زیادہ مستند مآخذ کی بنیاد پر ہم نے حالات و معتقدات کے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے، اگر کامیابی ہوئی تو یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے

بقیہ صفحہ (۴) اکابر کی پیروی میں، ورنہ پیشوائی کو کسی خاندان (خواہ وہ ساداتؓ کا خاندان ہو یا شیوخ کا یا شرفائے عجم کا) یا ملک (خواہ وہ حجاز و نجد ہو یا ہندوستان و افغانستان) کا موروثی حق خیال کرتے ہیں

ورنہ ایک ہیچ میرز طالب علم سے غلطیوں اور فروگذاشتوں کا رہ جانا بعید نہیں۔

آخر میں، اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ نیت و عمل میں اخلاص اور اس حقیر کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

پٹنہ

۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ

عاجز

مسعودِ عالم ندوی

تازہ قلم:۔

افسوس کہ یہ مسودہ تین سال دارالمصنفین میں پڑا رہا۔ اور کاغذ کی کمیابی کے باعث طباعت کی نوبت نہ آئی، اب محبِ عزیز مولوی محمد یونس صاحب کی فرمائش پر دارالاشاعت نشأۃ ثانیہ کے حوالہ کیا جا رہا ہے۔ اللہ کرے کہ اب مزید تاخیر نہ ہو۔

دارالعروبہ جالندھر

۱۶ر جمادی الاُخریٰ ۱۳۶۴ھ

مسعود عالم

عرضِ مؤلّف

سیرت محمد بن عبد الوہاب کی ترتیب کا کام عاجز نے شوال ۱۳۵۹ھ (نومبر ۱۹۴۰ء) ہی میں شروع کر دیا تھا، لیکن ملازمت کی مشغولیت کے باعث زیادہ وقت نہ دے سکتا تھا، تاہم آہستہ آہستہ کام ہوتا گیا اور شوال ۱۳۶۰ھ (نومبر ۱۹۴۱ء) میں کتاب کا خاکہ تیار ہو گیا، مگر کتابوں کی کمی کے باعث مسودہ مکمل کرنے کی ہمت نہ ہوئی، اور جب کچھ لکھا، تو کچھ اور کتابوں کے ملنے پر کافی حک و اصلاح کی ضرورت پڑی، اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے، پھر بھی انتہائی تلاش و جستجو کے باوجود بعض ضروری اور اہم کتابیں نہ مل سکیں جن کا ذکر ماخذ کے ضمن میں آگیا ہے۔

جن بزرگوں اور دوستوں نے کتابوں کی فراہمی اور اُن کا پتہ دینے میں ہماری مدد کی، ہم اُن کے دل سے شکر گذار ہیں، اس سلسلے میں خاص طور پر جناب ڈاکٹر عظیم الدین صاحب پٹنہ پروفیسر سید حسن عسکری، پٹنہ مولانا عبد الرحمن کاشغری ندوی، کلکتہ، مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی، لاہور، ڈاکٹر شیخ محمد عنایت اللہ صاحب، لاہور، ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب، حیدر آباد، شرف الدین وادلادہ، بمبئی، مولانا عبد المجید صاحب حریری، بنارس، پروفیسر محمد اکبر ندوی کلکتہ یونیورسٹی، حکیم حافظ یوسف حسن خاں صاحب، بہار شریف (پٹنہ) کا دلی شکریہ

ادا کرنا میرے لئے ایک خوشگوار فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ اگر ان بزرگوں اور دوستوں کی مدد نہ ہوتی تو بہتیری کمیاب اور چھاپ باہر کتابوں کا جمع کرنا میرے لئے بہت دشوار ہوتا۔

OUT OF PRINT

اس موقع پر ایک نجدی عالم شیخ محمد عمران بن محمد بن عمران (ساکن ریاض - نجد) کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جنھوں نے بمبئی میں اس کتاب کی تالیف کا حال سن کر پہلے سلام محبت سے یاد کیا، پھر بنارس ہوتے ہوئے پٹنہ تشریف لائے اور دو دن غریب خانہ کو رونق بخشی، وہ اوسط درجہ کے لکھے پڑھے آدمی تھے، لیکن شیخ ابن عبد الوہاب کے ساختہ و پرداختہ نجد کے ایک فرد، وہی اتباعِ سنت، وہی تقویٰ، وہی جوشِ عمل جو اس جماعت کا طرۂ امتیاز سنتے آئے ہیں کم از کم ہندوستان میں اس درجے کے اشخاص بہت کم دیکھنے میں آئے —— ان سے ہمیں بہت مدد ملی، متاخرین علمائے نجد کے سنین وفات کی تعیین انھوں نے اپنے حافظہ سے کی اور پورے یقین کے ساتھ، پھر بھی جہاں کہیں ہم نے ان کی روایت پر اعتماد کیا ہے، حوالہ دے دیا ہے۔

(ب)

کتاب کے مطالعہ کے دوران میں مندرجہ ذیل گزارشیں پیش نظر رہیں تو راقم کے امتنان کا سبب ہوگا۔

(۱) حوالوں میں طوالت سے بچنے کے لئے بسا اوقات صرف مصنف کے نام پر اکتفا کیا گیا ہے، کتابوں کی تعیین مآخذ سے ہو سکے گی۔

(ii) ہجری اور عیسوی سنین کے تطابق کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے لیکن جہاں ٹھیک ٹھیک دن اور ماہ کی تعیین کے ساتھ تاریخ نہیں معلوم ہو سکی ہے، وہاں ہجری سنہ کے مقابلے میں دو عیسوی سنہ دیے گئے ہیں۔

(iii) جہاں کہیں شیخ الاسلام اور شیخ کے لفظ بلا کسی نام کے آئے ہیں، وہاں مراد شیخ محمد بن عبد الوھاب ہیں، اسی طرح آل الشیخ سے اُن کی اولاد و احفاد مراد ہیں۔ گو اس جماعت کے لٹریچر میں شیخ الاسلام کا لقب عام طور پر امام ابنِ تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

(iv) عربی اور انگریزی عبارتوں کے ترجمے اور اقتباس میں حرف بہ حرف لفظی ترجمہ کا التزام نہیں کیا گیا ہے، البتّہ اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ اصل کا مفہوم ترجمہ یا اقتباس میں ٹھیک ٹھیک ادا ہو جائے۔

(v) یورپی اعلام کے تلفظ میں غلطی کا امکان ہے۔ اگر کہیں ایسی چوک یا لغزش نظر آئے، تو راقم کو مطلع فرما دیا جائے، تصحیح کسی قسم کی بھی ہو انتہائی شکریہ کے ساتھ قبول کی جائے گی۔

(۱)

ذاتی حالات

| جزیرۃ العرب مسلمانوں کے دورِ عروج میں |

عرب کے ریگستانوں نے گو لیل و نہار کے ہزاروں تماشے دیکھے ہیں، مگر شاید اس تماشے سے بڑھ کر کوئی تماشا نہ ہوگا کہ تاریک ذرّوں نے ایک چمکتے سورج (وجودِ نبوی) کے پرتو سے روشن ہوکر ساری دنیا کی آنکھوں کو اپنی چمک دمک سے روشن کردیا، اور خود ان کے گوشہ گوشہ کو مطلعِ انوار بنادیا اور عین اس وقت جب وہ دشت و جبل اور بحر و بر کو منور کرچکے خود ایسے ماند پڑ گئے کہ دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے، یہ کیوں؟ اس لیے کہ ان قوموں نے جو اس نور سے منور ہوئیں یہ سمجھا کہ ان ریگستانی ذروں کی تابانی کے مقابلے میں ان کی چمک اور تابانی نگاہوں کو خیرہ بناسکیں گی اس لیے ان کا تاریک اور ماند ہی رہنا اچھا ہے۔

(سید سلیمان ندوی: معارف نومبر ۲۴ء)

یوں تو بنو امیہ کے دورِ حکومت ہی میں حجاز کی مرکزیت ختم ہوچکی تھی، دمشق کے شاطروں نے حرمین کو پیرزادوں کی خانخاہ بنادی، اور پھر ابو مسلم خراسانی کی تلوار نے عربوں کی سیاسی قسمت ہی کا فیصلہ کردیا۔ (۱۳۲ھ) اور جو عباسی سلطنت

اس کے بل بوتے پر قائم ہوئی، رفتہ رفتہ عجمی شہنشاہی بن گئی، معتصم (۲۱۸ھ-۸۳۳ء تا ۲۲۷ھ-۸۴۲ء) کے دور میں ترکوں نے زور پکڑا، اور پھر تخت و تاج نے ان کے قدم لیئے، نزدیک اور دور بیسیوں سلطنتیں بنیں اور بگڑیں، پر غریب عرب کا اس تگ و تاز میں کوئی حصّہ نہ تھا۔

مسلمانوں کے عروج کی ان صدیوں میں بغداد اور قرطبہ کی علمی درسگاہیں قائم ہوئیں ازہر (مصر) زیتونہ (تونس) اور قرویین (فاس) کی مسجدوں سے علم و عمل کے چشمے جاری ہوئے، ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا، سلیمان اعظم (۹۲۶ھ-۱۵۲۰ء تا ۹۷۴ھ-۱۵۶۶ء) نے ویانا کی دیوار ہلادی، مغلوں نے ہندوستان کو زیر و زبر کیا...... لیکن عرب کا شتربان اپنے صحرا میں آرام کی نیند سوتا رہا، عثمانی ترکوں نے حجاز پر صدیوں حکمرانی کی، لاکھوں کروڑوں کے چڑھاوے دیئے، مصر کے خراج کا بیشتر حصّہ حرمین کی خدمت کے لئے وقف رہا، مجاوروں اور متولیوں کے لئے بیش قرار وظیفے مقرر کئے...... پر عرب کی وادی غیر ذی ذرع میں کہیں علم کا چشمہ جاری نہ ہوا دفتروں کی زبان ترکی رہی، اللہ اکبر!! خلیفۃ المسلمین کی حکومت اور مہبط وحی میں غیر قرآنی زبان کا چلن! عبرت کا مقام ہے!! اس ذلیل دنیا اور بادشاہی نے کیا کیا نہیں کرایا؟ ہاں سرکاری زبان ترکی رہی، افسر ترکی رہے، رہے عرب تو مزاروں کی مجاوری اور گداگری یا پھر ایام جاہلیت کے نمونے پر لوٹ کھسوٹ اُن کا کام رہ گیا تھا۔

محمد بن عبدالوہابؒ بالآخر جب دنیا پھر تاریکی میں مبتلا ہوگئی، مسلمان کتاب و سنّت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے، ایک اللہ کی جگہ سیکڑوں معبود بنالئے گئے، مصر میں بدوی

دور فاطمی، عراق و ہند میں عبد القادر جیلیؒ، مکہ و طائف میں ابن عباسؓ، یمن میں ابن علوان سے مرادیں مانگی جانے لگیں[1] اور مسلمان ہر شجر و حجر کے آگے جھکنے لگے جب یہ حالت ہو گئی، تو پھر اسی بے آب و گیاہ سرزمین پر پہلے پہل تذکیر و ہدایت کا آفتاب ضو فگن ہوا، اور خاکِ عرب کے وہ ذرے جو جہل و شرک کی طغیانی کے باعث ماند پڑ گئے تھے، پھر چمک اُٹھے، اور نجد کے چمنستان سے جو اپنے عرار و خزامی[2] کی عطر بیزی کے لئے مشہور ہے، توحید و کلمۂ حق کی ایسی خوشبو پھیلی جس نے تمام عالم کو زعفران زار بنا کر چھوڑا، میری مراد شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب (رَحمۃُ اللّٰہ وَنَوَّرَ ضَرِیحَہُ) کی ذاتِ گرامی سے ہے جنھوں نے اپنی مسلسل اور انتھک کوششوں سے توحید کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، اور جہاں تک اس مردِ مجاہد کی آواز پہنچ سکتی تھی، اس نے حق و صداقت کا پیغام پہنچایا۔

ابنِ عبد الوہابؒ کی پیدائش کے وقت دنیائے اسلام کی حالت

یوں تو اسلامی دنیا کا فکری زوال آٹھویں صدی ہجری کے اختتام پر اپنی آخری حد کو پہنچ چکا تھا اجتہاد و نظر کے دروازے عرصہ ہوا بند ہو چکے تھے، متاخرین کے متون و حواشی اور منہیات علماء کے زیر درس تھے، عملی حالت اس سے بھی زیادہ گری ہوئی تھی لیکن بارھویں صدی ہجری کے آغاز میں یہ انحطاط اس حد کو پہنچ چکا تھا، کہ غیر مسلم بھی عہدِ صحابہ کے حالات سے اِس دور کے مسلمانوں کا موازنہ کرتے تو انھیں تعجب

---

[1] تطہیر الاعتقاد عن ادران الالحاد لمحمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی ص[؟] [2] نجد کے عرار و خزامی رند کا ذکر کلامِ عرب میں بکثرت آتا ہے محمود شکری آلوسی (م ۱۳۴۲ھ) نے اپنی تاریخ نجد (قاہرہ ۱۳۴۳ھ) میں اس سلسلہ کی منظومات کافی نقل کی ہیں (ص ۱۹-۵)۔

وافسوس ہوتا، امریکی اہلِ قلم اسٹاڈرڈ (جدید دنیائے اسلام[ف۱]، عربی ترجمہ حاضر العالم الاسلامی ص ۶۰-۲۵۹، ج ۱) کے بیان کے مطابق۔

"مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا، تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا، مسجدیں ویران اور سنسان پڑی تھیں، جاہل عوام ان سے بھاگتے تھے، اور تعویذ گنڈے اور مالا میں پھنس کر گندے فقیروں اور دیوانے درویشوں سے اعتقاد رکھتے، اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے، جن کی پرستش بارگاہِ ایزدی کے شفیع اور ولی کے طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ ان جاہلوں کا خیال تھا کہ خدا کی برتری کے باعث وہ اس کی طاعت بلا واسطہ ادا نہیں کر سکتے، قرآنِ کریم کی تعلیم نہ صرف پس پشت ڈال دی گئی تھی، بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی، .... یہاں تک کہ مقامات مقدسہ (مکہ و مدینہ) بد اعمالیوں کا مرکز بن گئے تھے، اور حج جس کو رسول اللہ نے فرائض میں داخل کیا تھا، بدعات کی وجہ سے حقیر ہو گیا تھا فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی .... اگر محمد (ص) پھر دنیا میں آتے، تو وہ اپنے پیروؤں کے ارتداد اور بت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے۔"

ایک غیر مسلم مبصر کے اس تیار کردہ خاکے میں مسلمانوں کے جو خط و خال نظر آتے ہیں وہ آج بھی بڑی حد تک صحیح ہیں یا نہیں؟ امیر شکیب کی رائے میں بڑے سے بڑا دقیق النظر

ف۱ New World of Islam

عالم بھی بارھویں صدی کے مسلمانوں کی اس سے زیادہ صحیح اور واضح تصویر نہیں کھینچ سکتا تھا۔[۱]

طولِ کلام اگر بار نہ ہو، تو اپنی بدنصیبی کی مزید داستان ایک دوسرے مغربی مُبصر کی زبانی بھی سُن لیجئے:۔

"اٹھارہویں صدی میں مسلمانوں کا جوش سرد تھا، نام نہاد خلیفہ کی ساکھ گرچکی تھی، اور مقبوضہ کے جنوب میں اطاعت تسلیم بھی نہیں کی جاتی تھی یمن ایک صدی پہلے یہ جُوا اپنی گردن سے اُتار چکا تھا، مکہ کے اشراف عیسائیوں کی نسبت اپنے سردار کے مقابلہ میں زیادہ سرگرمی دکھانے کو تیار تھے، یہ یکجہتی جو آج دکھائی دیتی ہے، اس وقت اُس کا احساس بہت کم تھا، اور روحانی مرکز مکہ مادی عیش و آرام کا شکار ہوچکا تھا، اور تقویٰ و زُہد کے علاوہ وہاں ہر چیز کے لئے رواداری موجود تھی، حالانکہ ہندوستان میں عیسائیوں کی فتح نگاہوں کے سامنے تھی۔ اور یورپ میں بھی غیر مُسلم طاقتیں ترکوں کا پانسہ پلٹ رہی تھیں، لیکن عرب میں ان واقعات کا بہت کم احساس تھا، اور یہ عام غیظ و غضب جس کا مظاہرہ آج[۲] فرانس، برطانیہ اور روس کے خلاف کیا جارہا ہے، اس وقت بالکل مفقود تھا، جہاں غصہ نہیں وہاں جوش نہیں، چہ جائیکہ تبلیغی کوششیں ہوں" (خلاصہ یہ کہ) اس وقت اسلام کا رُخ تنزل کی طرف تھا، اور یہ تجدد جس کی لہر انیسویں صدی

---

[۱] حاضر العالم الاسلامی جلد ۱ ص ۲۶۰ (حاشیہ)

[۲] ۱۹۰۴ء میں یہ کتاب تالیف ہوئی۔

عیسوی میں افریقیہ اور چین تک پہونچ کر رہی، اس وقت اس کی پیش بینی نہیں کی جاسکتی تھی۔"[1]

نجد ابن عبد الوہاب سے پہلے بارھویں صدی ہجری کے آغاز میں اسلامی دنیا اور مقامات مقدسہ کا جو حال تھا، اس کا ہلکا سا اندازہ اوپر کے بیانات سے ہوا ہوگا، لیکن جزیرۃ العرب کے قلب (نجد) کی حالت اور بھی خراب تھی، کم سے کم جو کہا جاسکتا ہے وہ یہ کہ اہل نجد اخلاقی انحطاط میں حد سے گذر چکے تھے، اور ان کی سوسائٹی میں بھلائی، برائی کا کوئی معیار نہیں قائم رہا تھا، مشرکانہ عقیدے صدیوں کے تسلسل سے اس طرح دلوں میں گھر کر چکے تھے، کہ ایک بڑا طبقہ انہی خرافات کو دین صحیح کا نمونہ جانتا تھا، اور غلط یا صحیح وہ اپنے آباؤ اجداد کی روش سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھے جبیلہ (وادی حنیفہ) میں زیدؓ بن خطاب کی قبر کی پرستش ہوتی تھی، درعیہ میں بھی بعض صحابہ کے نام سے قبریں منسوب اور قبے عوام کی جاہلانہ عقیدت کے مرکز بنے ہوئے تھے، وادی غبیرہ میں ضرارؓ بن ازور کا قبہ بدعتوں کی نمائش گاہ بن رہا تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بلیدۃ الفدا میں ایک پرانے درخت کے ساتھ جوان مرد اور عورتیں جو سلوک کرتی تھیں، ان کے بیان سے زبان قلم قاصر ہے، خلاصہ یہ کہ مایوس عورتیں اولاد کی تمنا میں اس درخت سے ہمکنار ہوتیں، نیز درعیہ کے پاس ایک غار تھا، جہاں حد درجہ شرمناک برائیاں ہوتی تھیں[2] الخ

---

[1] Hogarth Penetration of Arabia

[2] نجد کی بدعات کا ذکر تمام تاریخوں میں آتا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(الف) روضۃ الافکار والافہام لمرتاد حال الامام وتعداد غزوات ذوی الاسلام تالیف

یہ سب کچھ دین اور مذہب کے نام پر ہوتا تھا، اور جو دو چار اشخاص فقہ و حدیث سے بہرہ ور تھے اپنے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہمت نہیں پاتے تھے، آخر علمائے نجد دنیا کے علماء سے الگ تو تھے نہیں!!

سیاسی حالت اور خراب تھی، خانہ جنگی اور بدحالی عام تھی، شمالی نجد (جبل شمر) قبیلہ طے اور حسا میں بنو خالد کا زور تھا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عُیینہ کی امارت حسا کے بنو خالد کا اقتدار مانتی تھی، درعیہ میں قبیلہ عنزہ کے قدم جم رہے تھے، درعیہ سے قریب منفوحہ میں دواس کی الگ امارت قائم ہو گئی تھی، نجد کا چھوٹا سا علاقہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا، (فلبی ص ۷-۶)

(بقیہ صفحہ (۱۵) شیخ حسین ابن غنام (شاگرد و معاصر شیخ الاسلام م ۱۲۲۵ھ (ص ۱۶-۷)

(ب) عنوان المجد فی تاریخ نجد ص ۶ تالیف عثمان بن بشر النجدی (م ۱۲۸۸ھ)

(یہ دو کتابیں تاریخ نجد پر ام اور اصل کا حکم رکھتی ہیں)

(ج) الہدیۃ السنیۃ والتحفۃ الوہابیۃ النجدیۃ، مرتبہ سلیمان بن سحمان (ص ۹-۴۷)

نیز تبرئۃ الشیخین الامامین (سلیمان بن سحمان ص ۱۲۳، ص ۱۶۱)

(د) (Arabia) از فلبی (دی ماڈرن ورلڈ سیریز ۱۹۳۰ء) ص ۴-۵، فلبی اور ابن سحمان کا ماخذ بھی ابن غنام ہی کی کتاب ہے۔

۱؎ عرب کے مختلف حصوں اور خاص کر نجد کا جغرافیہ ذرا مشکل سے سمجھ میں آتا ہے، ہمارے ہاں جیسی صوبہ اور ضلع وار مرتب تقسیم ان کے ہاں نہیں ہے اور نہ موجودہ دور سے پہلے ملک میں کوئی قابل ذکر سیاسی وحدت تھی، مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ نجد کے تین بڑے بڑے حصے ہیں:

(۱) شمال مغربی حصہ جس کا نام شمّر ہے، اس کے مشہور شہر حائل اور القصر ہیں۔

خاندان | اس پر آشوب دور اور ناموافق ماحول میں محمد بن عبد الوہاب نے آنکھیں کھولیں، عُیَینہ[1] کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے[2] (۱۱۱۵ھ ۱۷۰۳ء) ان کے جدِ امجد سلیمان علی بن مشرف[3] (م ۱۰۷۹ھ) اپنے زمانہ کے مشہور عالم اور علمائے نجد کے مرجع و ماویٰ تھے، مناسک میں ان کی کتاب مشہور ہے، اور السحب الوابلہ کے (ص ۱۰۳) کے بیان کے مطابق مناسک کے باب میں عام طور پر حنابلہ اسی پر اعتماد کرتے ہیں، (دیکھو عنوان ص ۶۲) ان کے چچا ابراہیم بن سلیمان بھی ممتاز عالم تھے، ابراہیم کے بیٹے عبد الرحمٰن (م ۱۲۰۶ھ) بھی فقیہ و ادیب تھے (عنوان ج ۹) شیخ کے والد عبد الوہاب ابن سلیمان (م ۱۱۵۳ھ) بھی فقہ میں دخل رکھتے تھے، اور ایک

بقیہ صفحہ ۱۶ = (۲) شمالی مشرقی حصہ جس کا نام القصیم ہے اس کے مشہور مقامات عنیزہ اور بریدہ ہیں، (۳) جنوبی حصہ جو العارض کہلاتا ہے اس کا مشہور شہر ریاض ہے جو آج سعودی حکومت کا پایہ تخت ہے، عارض کو جبل یمامہ بھی کہتے ہیں، اصل میں یہ ایک پہاڑی کا نام ہے، اور اس کے گرد و نواح کی زمین وادی حنیفہ اور یمامہ کہلاتی ہے، شیخ الاسلام کی جائے پیدائش عُیَینہ اور دعوت کا مرکز درعیہ دونوں اسی وادی میں واقع ہیں جو نجد کے قلب کی حیثیت رکھتے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: لفظ ARABIA جلد ۱ ص ۳۷۱ اور NEJD (جلد ۳ ص ۸۹۳-۶)

[1] فلبی کی قابلِ قدر کتاب Arabia میں عام طور پر مقامات کا تلفظ صحیح ہے لیکن عُیَینہ کو وہ Ayaina لکھتا ہے، جو صحیح نہیں بلکہ Uyaimah ہونا چاہئے، عام طور پر یورپین مصنف Aysina یا Ayenah لکھتے ہیں (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۴ ص ۱۰۸۶: ڈکشنری آف اسلام ص ۶۵۹) حالانکہ دونوں غلط ہیں،

عرصہ تک عُیینیہ اور حریملا میں عہدہ قضا پر مامور رہے (دیکھو السحب الوابلہ علی ضرائح الحنابلہ (ص ۱۷۱-۲) سلیمان بن عبدالوہاب (م ۱۲۰۸ھ) اور ان کے فرزند عبدالعزیز (م ۱۲۶۳ھ) بھی ممتاز علمی حیثیت کے مالک تھے، ۱۲۳۶ھ میں مصری غارتگری کے وقت وہ حریملا میں موجود تھے، محبوس کئے گئے اور طرح طرح کی سختیوں سے دوچار ہوئے ان کا کتاب خانہ نذر آتش کیا گیا، اور مال و اسباب لوٹ لیا گیا، (عنوان جلد ا ص ۲۳۶)

نشوونما محمد بن عبدالوہاب آغاز طفولیت ہی سے ذہانت اور قوتِ حافظہ میں ممتاز تھے، دس برس کی عمر سے پہلے قرآنِ مجید کے حفظ سے فارغ ہو گئے، اپنے والد سے فقہ حنبلی کی کتابیں پڑھیں اور بچپن ہی میں حدیث و تفسیر کی کتابیں کثرت سے مطالعہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) عُیینیہ (بضم عین) عین (چشمہ) کی تصغیر ہے، پہلے اس مقام پر کوئی چشمہ تھا، اب اسے شیخ الاسلام کی نسبت سے بلد الشیخ بھی کہتے ہیں۔ ۲۔ شیخ کی ولادت ۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ء) میں ہوئی اس میں کوئی شک نہیں (ابن غنام: ج ا ص ۳۰: عنوان المجد جلد ا ص ۱۳۸ بعد کے لکھنے والوں میں احمد بن زینی دحلان (الدرر السنیہ ص ۴۲: خلاصۃ الکلام ص ۲۲۹) نے ۱۱۱۱ھ اور امیر شکیب (حاضر جلد ۴ ص ۱۶۱) نے ۱۱۱۶ھ تاریخ ولادت بتلائی ہے جو غلط ہے، اسی طرح HUGHES (ڈکشنری آف اسلام ص ۶۵۹) ولفرڈ بلنٹ (اے پلگریمیج ٹو نجد (ضمیمہ) ص ۲۵۱ زویمر ARABIA THE CRADLE OF ISLAM وغیرہم نے تاریخ ولادت ۱۶۹۱ء لکھی ہے، جو یکسر غلط ہے، ہوگارتھ (ص ۴۳) نے بھی سالِ ولادت غلط (۱۶۹۶ء) دیا ہے اور انھیں ماخذوں کی پیروی میں اپنے بھی ٹھوکر کھاتے ہیں، قاضی عبدالغفار صاحب نے آثار جمال الدین (ص ۳۳۶) میں دو

لیکن اُن کے والد عبد الوہاب ہونہار لڑکے کی ذہانت اور استعداد سے متعجب ہوتے' ان کا بیان ہے کہ محمدؒ کی تدریس کے دوران میں وہ خود بھی اپنے ہونہار بچے کی ذہانت اور وسعتِ معلومات سے مستفید ہوئے، شیخ عبد الوہاب اپنے بیٹے کے علم سے اس قدر متاثر تھے، کہ نوعمری کے باوجود انھیں امامت کے لئے آگے بڑھاتے' کم سنی ہی میں شادی ہوئی، اور فریضۂ حج سے مشرف ہوئے، مدینہ منورّہ میں دو ماہ قیام کے بعد عُیَینہ واپس ہوئے اور اپنے والدِ ماجد سے تحصیلِ علم میں مصروف ہوگئے، یادداشتیں اور علمی کتابیں نقل کرتے، اتنی محویت ہوتی کہ ایک ایک نشست میں بیس بیس صفحے لکھ جاتے، (ابنِ غنام ص۳۰)

علم کی راہ میں | ابنِ عبد الوہابؒ قدرت کی طرف سے غیر معمولی حساس دل لے کر آئے

(بقیہ حاشیہ ص۱۸) تاریخیں (۱۶۹۱ء اور ۱۷۰۵ء) دی ہیں اور دونوں غلط ہیں، بروکلمن (ذیل: ۲، ۵۳۰) نے جائے ولادت الحوطہ بتائی ہے، جو عُیینہ سے قریب ہی واقع ہے۔

ص۳ (الف) شیخ کا پورا نسب نامہ یہ ہے :۔

محمدؒ بن عبد الوہاب بن سلیمان بن علی بن محمدؒ بن احمد بن راشد بن برید بن مشرف الخ

(ب) السحب الوابلہ علیٰ ضرائح الحنابلہ (مخطوطہ مشرقی کتاب خانہ پٹنہ) میں اس خاندان کے مندرجۂ ذیل افراد کے حالات ملتے ہیں،

۱۔ سلیمان بن علی بن مشرف (ص۱۰۳)

۲۔ ابراہیم بن سلیمان بن علی (ص۹-۸)

۳۔ عبد الوہاب بن سلیمان بن علی، سلیمان بن عبد الوہاب، عبد العزیز بن سلیمان (م ۱۲۶۳ھ) ص۱۷۱-۲

۴۔ عبد الوہاب بن عبد اللہ بن عبد الوہاب بن مشرف (م ۱۱۲۵ھ) ص۱۰۲

تھے، اپنے اردگرد نجد کے شہروں اور بستیوں کی حالت دیکھ دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوتے، عام لوگوں کا تو ذکر ہی کیا، خود اہلِ علم کی حالت ناگفتہ بہ تھی، محمدؒ اپنے والد عبدالوہاب سے جو نجد کے علماء میں ممتاز تھے جو کچھ حاصل کر سکتے تھے، اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، لیکن ہونے والے مصلح اور مجدد کی پیاس دو چلو پانی سے کس طرح بجھ سکتی تھی! حج سے مشرف ہو چکے تھے، حجاز کی مرکزیت دل میں گھر کر چکی تھی، طلبِ علم کا خیال آتے ہی حجاز کا ارادہ ہوا، پرجوش نوجوان کی عمر کوئی بیس برس کی ہوگی، کہ لیلائے علم کے شوق میں اُس نے دشت نوردی کی ٹھانی، اور حجاز کا رُخ کیا (۱۱۳۵ھ تقریباً)

دوبارہ حج بیت اللہ اور مسجدِ نبوی کی زیارت سے مشرف ہو کر علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور تحصیلِ علم میں منہمک ہو گئے، خاص طور پر نجد کے مقام مجمعہ کے ایک مشہور عالم عبداللہ ابنِ ابراہیم بن سیف (جو جوارِ رسولؐ میں جا کر بس گئے تھے) کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔

شیخ عبداللہ بن ابراہیم نجدی (مدنی) کی جلالتِ قدر اور اخلاص کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے، جو خود شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی زبانی منقول ہے شیخ کہتے ہیں:۔

"میں ایک دن ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کہ انھوں (عبداللہ بن ابراہیم)

۱؎ عبداللہ بن ابراہیم بن سیف اپنے وقت کے مشہور فقیہہ تھے، شام جا کر مشہور حنبلی عالم شیخ ابوالمواہب حنبلی (م ۱۱۲۶ھ) سے استفادہ کیا، ان کے بیٹے ابراہیم بن عبداللہ بن ابراہیم (م ۱۱۸۵ھ) بھی مشہور عالم تھے ان کی کتاب العذب الفائض فی شرح الفیۃ الفرائض مشہور ہے (السحب الوابلۃ ص ۱۰۱۲)

نے فرمایا، تمھیں وہ ہتیار دکھاؤں، جو میں نے اہلِ مجمعہ کے لیے تیار کیا ہے"؟ میں نے کہا "ضرور" تو مجھے وہ ایک کمرے میں لے گئے، جہاں کتابوں کا انبار تھا، اور بولے ہم نے اِن لوگوں کے لئے یہی ہتیار فراہم کئے ہیں، (عنواں ص۷)

شیخ عبداللہ بن ابراہیم ہی کے توسط سے شیخ محمد حیات سندھی[۱] سے تعارف حاصل ہوا جو اس وقت مدینۃ الرسول میں حدیث وسنت کے مسلّم استاذ تھے، ابن عبدالوہاب ان کے مخصوص شاگردوں کے حلقہ میں داخل ہو گئے اور عرصہ تک خدمت میں حاضر رہے، اسی سلسلہ میں شام کے نامور عالم شیخ علی داغستانی[۲] (م ۱۱۹۹ھ) سے بھی روایت کا ذکر کیا جاتا ہے، جو قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتا، (الزہراء، رجب ۱۳۴۵ھ) اسی طرح مدینہ منورہ کے مشہور مُحدث محمد بن سلیمان

---

[۱] محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ سلک الدرر جلد ۴ ص ۳۴ ؛ ۱۱۶۵ھ عنوان المجد جلد ۱ ص ۲۵ بروکلمن (ذیل جلد ۲ ص ۵۲۲) نے سنہ وفات کی تعیین نہیں کی ہے، صرف ۱۱۵۰ھ کے بعد پر اکتفا کیا ہے، مولوی اسلم صاحب جیراجپوری (تاریخ نجد ص ۳۱، حاشیہ) نے تاریخ وفات ۱۱۳۵ھ لکھی ہے جو صحیح نہیں۔

[۲] شیخ علی داغستانی اپنے عہد کے علمائے دمشق میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، مدینہ منورہ میں ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے، شیخ محمد حیات سندھی سے روایتِ حدیث کی اور بہتوں ان سے مستفید ہوئے ۱۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے، مدینہ منورہ تحصیل علم کو آئے اور ایک مدت وہاں قیام پذیر رہے، ۱۱۵۰ھ میں لوٹ گئے (سلک الدرر ج ۳ ص ۲۱۵) شیخ کے زمانہ قیام مدینہ منورہ میں ان کی عمر بہت کم رہی ہوگی اس لئے اُن سے شیخ کا مستفید ہونا

کردی مدنی (م ۱۱۹۴ھ) سے بھی استفادہ کا ذکر بعض تاریخوں میں آتا ہے، لیکن مستند اور معاصر تاریخوں کی خاموشی کے علاوہ سنین اور واقعات بھی اسکے خلاف شہادت دیتے ہیں،[۱]

استاذ محترم مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ (سلاطین نجد کا مذہب: معارف نومبر ۲۴ئہ) نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اور شیخ الاسلام دونوں کا منبع فیض ایک (مسجد نبوی) بتایا ہے، اصلی سرچشمہ (کتاب و سنت) کے اتحاد تماشا و درس گاہ (مسجد نبوی) کے ایک ہونے میں بھی شبہ نہیں، لیکن استاذ کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا۔

لبیب بتنونی (الرحلة الحجازیہ ص۳) مکہ مکرمہ میں بھی تحصیل علم کا ذکر کرتا ہے لیکن کسی مستند روایت سے اس کی تائید نہیں ہوتی،

(بقیہ حاشیہ ص۲۱) قرین قیاس نہیں معاصرین میں محب الدین خطیب (الزہراء: رجب ۱۳۴۵ھ) اور محمد حامد نقی (اثر الدعوۃ الوہابیۃ فی الاصلاح الدینی: ص۴۷) نے اس کا ذکر کیا ہے

(بقیہ صفحہ ہذا)

[۱] محمد بن سلیمان کردی مدنی (م ۱۱۹۴ھ)؛ ابن غنام اور ابن بشر نے محمد بن سلیمان کردی کی شاگردی کا ذکر نہیں کیا، صرف احمد زینی دحلان (الدرر السنیۃ ص ۴۲، ۴۵) نے شیخ کردی کی شاگردی کا ذکر کیا ہے اور بڑے زور و شور سے؛ دحلان کی اس کتاب اور خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام میں اس درجہ غلط بیانیاں بلکہ افترا پردازیاں ہیں کہ اس غیر مصرح روایت پر بھی یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا مزید یہ کہ سنین کی شہادت بالکل خلاف ہے، محمد بن سلیمان کردی ۱۱۹۴ھ میں ستر سال کی عمر پا کر فوت ہوئے (سلک الدرر جلد ۴ ص ۱۱۱-۲) تو گویا ان کی ولادت ۱۱۲۴ھ کے لگ بھگ ہوئی ہوگی، اس طرح یہ شیخ کے زمانہ تحصیل میں یہ بھی بالکل نوعمر ہوں گے اور ان سے شیخ کا مستفید ہونا

مدینہ منورہ سے شیخ نے بصرہ کا قصد کیا، اور وہاں شیخ محمد مجموعی سے حدیث ولغت کا درس لیا، اور ان کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے، ابن بشر نے اپنے استاذ عثمان بن منصور ناصری سے روایت کی ہے، کہ شیخ محمد مجموعی کی اولاد بھی علم وعمل میں ممتاز حیثیت رکھتی تھی، (صث) شام[1] کا بھی ارادہ رکھتے تھے، لیکن زاد راہ کی کمی کے باعث کامیاب نہ ہوئے، (صث) اور احسا ہو کر حریملا (نجد) کو لوٹ آئے جہاں اُن کے والد ۱۱۳۹ھ ۱۷۲۶ء میں عُیینہ سے منتقل ہو چکے تھے۔

---

[1] امیر شکیب نے بھی دمشق میں تحصیل علم کا ذکر کیا ہے (حاضر ۴ ص ۱۶۱) جو صحیح نہیں، مارگولیوتھ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (جلد ۴ ص ۱۰۸۶-۹۰) نے تو افترا پردازیوں کی انتہا کر دی ہے: وہ کہتا ہے:

"بغداد میں شادی کی جو دو ہزار دینار چھوڑ کر مری .... کردستان ہمدان قم اصفہان کی زیارت کی اور قیام کیا۔"

اس بیچارے کو سب سے مستند تاریخ روضۃ الافکار والافہام کے مصنف کا نام تک نہیں معلوم حالانکہ فلبی کی کتاب ARABIA کا ذکر کرتا ہے، اور اس میں ابن غنام کا نام بار بار آیا ہے، پھر بھی روضۃ الافکار اور ابن غنام کی کڑی نہ مل سکی علم کا یہ حال ہے لیکن بے سروپا افسانے ہیں، کہ گھڑے جا رہے ہیں، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں اس نے لفظ WAHHABIYAH کے ماتحت جو کچھ لکھا ہے، اسی قسم کے مہملات کا مجموعہ ہے کچھ نمونے آگے آئیں گے BRYDGE: A BRIEF HISIORY OF WAHHABY ص ۱۵۹ .... ذویمر (ص ۱۹۲) HUGHES ص ے ڈبلیو ولسن THE EXPANSION OF ISLAM ۱۹۱ پالگریو (ص ۲۶۳) میں سے کسی نے سفر بغداد کسی نے سفر دمشق اور کسی نے دونوں کا ذکر کیا ہے، لیکن واقعہ یہی ہے

دعوت و تبلیغ | ابنِ عبد الوہاب بچپن ہی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف مائل تھے ابھی وہ عُیینہ میں فقہ و حدیث کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے، کہ بدعات ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگے، اور جہاں کوئی عمل اصولِ دین کے خلاف پاتے، فوراً نہی عن المنکر کے فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرتے۔

مدینہ منورہ میں محمد حیات سندھی اور علی بن ابراہیم بن سیف نجدی سے استفادہ کے بعد حدیث پر نظر ہوئی، اور پھر چاروں طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو انھیں دنیا گمراہی کی سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی نظر آئی، جہاں تک پتہ چلتا ہے، شیخ نے سب سے پہلے اسی زمانہ میں "استغاثہ" کے خلاف آواز بلند کی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس جاہلوں کی حرکتیں دیکھ دیکھ کر ان سے ضبط نہ ہو سکا، ایک مرتبہ وہ حجرۂ نبوی کے پاس کھڑے تھے، اور سامنے بدعات کا بازار گرم تھا اتنے میں اُن کے اُستاذ محمد حیات سندھی آگئے، شیخ نے پوچھا: "ان لوگوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟" اُستاذ نے جواب دیا: اِنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ "(۱)

بصرہ میں یہ جذبہ اور تیز ہو گیا نہی عن المنکر بلا خوف کرتے جس کے پاداش

(بقیہ حاشیہ صـ۲۳) کہ شیخ الاسلام کو بصرہ سے آگے جانے کا موقع نہ ملا، بغداد، شام یا مصر کے سفر کا کوئی ثبوت نہیں

THE ARAB'S PLACE بھی RICHARD CODE

دمشق، بغداد، اور ایران کے سفر کا ذکر کرتا ہے، (IN THE SUN ۱۶۱ جانے ان غلط قیاس آرائیوں کی بنیاد کیا ہے؟

(۱) عنوان المجد صـ۶۔

یں انھیں طرح طرح کی تکلیفیں جھیلنا پڑیں، اور آخر انھیں بصرہ چھوڑنا پڑا، یہی نہیں بلکہ ان سے تعلق اور ہمدردی کے جرم میں شیخ محمد مجموعی کو بھی ستایا گیا، بدبختوں نے انھیں ٹھیک دوپہر کے وقت نکالا تھا، بیچارے اسی حال میں زبیر[1] کی طرف جارہے تھے کہ راستے ہی میں پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑ گئے، آخر ایک باخدا انسان ابوحمیدان نامی نے (جو کرایہ کے گدھے رکھتا تھا) دست گیری کی اور پیاس بجھائی، نیز اپنے گدھے پر سوار کر کے زبیر پہنچا دیا، (عنوان ص۳)

یہ سب دعوت کی ابتدائی منزلیں تھیں، اور تمہیدی کام تھے، حریملا واپسی کے بعد انھوں نے بدعات کے استیصال اور توحید و اخلاق کے عام کرنے کا مُصمّم ارادہ کر لیا، دعوت کی بنیاد توحید کی پاکیزگی پر رکھی، اور عبادت کسی قسم کی ہو، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص کرنے پر زور دیا، کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا بول بالا، ان کا شعار تھا، صدیوں کے بگڑے ہوئے اخلاق کی اصلاح کا بیڑا اٹھانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں، وہ بدوؤں سے چوری رہزنی، مکّاری لوٹ مار کی بُری عادتیں چھڑا کر ان میں راست بازی اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرنا چاہتے تھے، جاہلوں کے غلط عقیدوں کی اصلاح انھیں معبودانِ باطل، قبہ و قبر سے ہٹا کر پھر معبود حقیقی کی درگاہ میں لا کھڑا کرنا ان کا مقصود تھا، پر یہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہ تھی، اس کے لئے ایمانِ خالص اور سچی عزیمت کی ضرورت تھی، اس راہ میں شیخ کو جن صبر آزما مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا اور جس خندہ پیشانی کے ساتھ انھوں نے اس راہ

---

[1] زُبیر: بصرہ سے قریب ایک قصبہ ہے حضرت زبیر بن عوامؓ کے نام پر آباد ہے اُس کے باشندے اس وقت بھی اتباعِ سنت میں ممتاز ہیں۔

کی تکلیفوں کا استقبال کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان اوصاف سے پوری طرح متصف تھے۔

توحید کی دعوت دی، غیر اللہ کے آگے سر خم کرنے، قبروں ولیوں سے مدد مانگنے نیکوکار بندوں کو معبود ثانی بنانے سے روکنے کی کوشش کی، قبروں کی زیارت میں مسنون طریقہ کے خلاف، جو بدعتیں رائج ہو گئی تھیں ان کے مٹانے کو عملی قدم اُٹھایا ...... بس پھر کیا تھا، مخالفت کا سیلاب امنڈ آیا، اعزہ اقربا درپے آزار ہو گئے، خود باپ کو بھی یہ ادا پسند نہ آئی، (عنوان ص۸) شیخ نے باپ کے ادب اور استاذ کی عزت کا پورا لحاظ رکھا، پر جو قدم آگے بڑھ چکا تھا، وہ پیچھے نہ ہٹا، ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی، پر صبر و عزیمت کا کوہ وقار اپنی جگہ سے نہ ٹل سکا، تمام رکاوٹوں کے باوجود انھوں نے اپنی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، اور عارض کے تمام قصبات حریملا عُیَنیہ، درعیہ، ریاض وغیرہ میں ان کی شہرت پھیل گئی، اور تعلیمات کی اشاعت ہونے لگی

تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا لیکن والد ماجد کی سرد مہری[۱] کے باعث رفتار سُست تھی، ۱۱۵۳ھ ۱۷۴۰ء میں والد کا انتقال ہوا، تو پھر دعوت و تبلیغ میں گرمی پیدا ہو گئی، علی الاعلان اتباعِ سنت اور ترکِ بدعات کا وعظ کہنے لگے، حریملا کے کچھ لوگ متاثر ہوئے، اور تحریک کے پُرجوش معاون بن گئے۔ شیخ کے درس میں حاضر ہونے لگے، اور ان کے مواعظ سے مستفید ہوئے، شیخ کی مشہور تالیف کتاب التوحید اسی دوران میں تالیف ہوئی، (روضۃ الاذکار ص۳۶)

عُیَنیہ میں ۱۱۵۷ھ ۱۷۴۴ء	دعوت و تبلیغ کی ابتدائی منزلیں طے کرنے پر شیخ کو احساس ہوا کہ

[۱] محمد حامد نقی (ص۵۱) نے شیخ عبدالوہاب کو غیر جانبدار بتایا ہے۔

اس افراتفری ہیں کہ ہر ناجیہ[۹۱] کا حاکم الگ ہے، کامیابی دشوار ہے، خود حریملا ہیں دو خاندان (قبیلہ) سرداری کے لیئے دست بگریبان تھے۔[۹۲]

اِن حالات ہیں کوئی موثر قدم اٹھانا مشکل تھا، انھوں نے پورے نجد کو ایک امیر اور ایک جھنڈے کے نیچے جمع کرنے کا ارادہ کرلیا، وہ سمجھتے تھے کہ کسی امیر (حاکم صاحب نفوذ و قوت) کی ہمدردی حاصل کئے بغیر دعوت کو دور و نزدیک جلد از جلد پھیلانا آسان نہیں، ان خیالات کے پیشِ نظر انھوں نے عثمان بن حمد بن معمر امیر عُیَینیہ سے خط و کتابت کی (الزہرا: رجب ۱۳۴۵ھ) اور امیر کو قبولِ حق پر آمادہ پاکر خود بھی عُیَینیہ منتقل ہو گئے امیر نے اچھی طرح آؤ بھگت کی اور شیخ کو سر آنکھوں پر بٹھایا، جوہرہ بنت عبداللہ بن معمر سے شیخ کی شادی ہوئی، جس سے ظاہری طور پر تعلقات زیادہ مستحکم ہو گئے، شیخ کے سامنے ایک متعین مقصد تھا، ذاتی اور خاندانی تعلقات حصولِ مقصد کا ذریعہ ہو سکتے تھے، خود مقصد نہیں تھے، انھوں نے امیر عُیَینیہ کے سامنے دعوت پیش کی توحید کا مفہوم واضح کیا اور اس جلیل القدر مہم ہیں امداد و تعاون کی درخواست کی، شیخ کے یہ الفاظ یادگار اور قابلِ نقل ہیں، (عنوان ص۹)

---

[۹۱] عثمانی حکومت کے دور ہیں انتظامی آسانی کے خیال سے ملک کی تقسیم ان چار حصوں ہیں کی جاتی تھی۔

ولایۃ (صوبہ) لواء (کمشنری) قضاء (ضلع) ناجیہ (تحصیل یا سب ڈویژن)

عارض کا شمار ناجیہ ہیں تھا، آلوسی نے ناجیۃ العارض لکھا ہے، (صوبہ اور ضلع کی دیسی اصطلاحیں ہم نے مقابلہ کے لیئے دے دی ہیں)

[۹۲] عنوان المجد (ص۹) ہیں بعض غلاموں کی شرارت کا ذکر ہے جو، شیخ کے قتل کا ارادہ، رکھتے

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

انی ارجو ان انت قمت	اگر تم لا الٰہ الا اللہ کی امداد کو آمادہ
بنصر لا الٰہ الا اللہ ان	ہو جاؤ تو میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ
یظہرک اللہ تعالیٰ و	تمھیں غالب کریگا اور نجد اور اہل نجد
تملک نجداً واعرابہا	کی باگ تمھارے ہاتھوں میں ہو گی،

عثمان کو یہ پیش کش صدق دل سے کی گئی تھی، پر افسوس کہ وہ اس پر قائم نہ رہا، جس کا خمیازہ اُسے بھگتنا پڑا، اور آخر یہ نعمت عیینیہ سے درعیہ کو منتقل ہو گئی، بہر حال عثمان بن حمد بن معمر نے امداد کا وعدہ کیا، اور اس کی معاونت کے سہارے شیخ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کھلم کھلا دعوت دینا شروع کی، اور رفتہ رفتہ اہل عُیَینیہ کے دل قبول حق کی طرف مائل ہونے لگے،

شیخ نے اس اثنا میں بدعات کے بعض اڈوں کے ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا جس میں انھیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی، اس علاقہ میں بعض درختوں کی توقیر کی جاتی تھی، انھیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا، زید بن خطابؓ (جو یوم یمامہ میں شہید ہوئے تھے) کے نام سے مقام جبیلہ میں ایک قبر تھی، اور اس پر قبہ، اس کا بھی خاتمہ کیا، جو اس وقت کے لحاظ سے، کوئی آسان کام نہیں تھا، ابن بشر (ج۱ ص۹) اس قبہ کے انہدام کا واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے۔

" شیخ نے عثمان سے کہا، آؤ، اب اس قبہ کو منہدم کر دیں جس کی بنیاد باطل پر رکھی گئی ہے، اور جس کی وجہ سے لوگ راہ ہدایت سے بھٹک گئے ہیں، عثمان نے کہا: آپ ہی اسے ہدم کر دیں،" شیخ نے فرمایا کہ ہمیں اہل جبیلہ سے

(بقیہ حاشیہ ص۲۷) تھے، دوسری کتابوں میں جہاں کہیں بھی اس کا ذکر ہے غالباً ماخذ یہی ہے۔

خطرہ ہے کہیں وہ ہمارے در پے آزار نہ ہو جائیں، آپ کی موجودگی کے بغیر میں ہدم نہیں کر سکتا، اس پر عثمان چھ سو آدمیوں کے ساتھ چلا، قریب پہنچنے پر اہلِ جبیلہ نے بزور روکنے کا ارادہ کیا، لیکن جب انھوں نے عثمان کی طرف سے بھی پوری تیاری دیکھی، تو ہٹ گئے، ابن بشر کا بیان ہے کہ عثمان نے شیخ سے کہا "کہ ہم قبہ کو چھو نہیں سکتے، اس پر شیخ نے ہتھوڑا (فاس) لیا اور اپنے ہاتھ سے قبہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا، اور کامیاب واپسی ہوئی، اس رات کو اطراف و نواح کے جاہل بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہے تھے، کہ دیکھیں اس "ناروا اقدام" کے بدولت شیخ پر کیا مصیبت آتی ہے، لیکن جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے، جب صبح ہوئی تو لوگ بہت مایوس ہوئے اور اہلِ حق کی ہمت بندھی نیز کمزوروں کے ایمان میں تازگی آئی۔"

یہ صرف ایک واقعہ کی تفصیل تھی، وہاں قدم قدم پر یہی دشواریاں تھیں، جاہلوں سے لے کر علما اور مشائخ تک سب کے سب بدعات کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے تھے یہ ابنِ عبدالوہاب کی آوازہ اور کوشش تھی جس نے صدیوں کے بعد پہلے پہل حق کا بول بالا کیا اور صحیح اسلامی تعلیم سے خلقِ خدا روشناس ہوئی۔

شیخ نے امیر عثمان بن معمر کو نماز باجماعت کے احیا کی بھی تاکید کی اور متخلفین کے لئے سزائیں تجویز ہوئیں حکام طرح طرح کے ٹیکس وصول کرتے تھے، شیخ نے تمام ٹیکس اڑا دئے اور صرف زکوٰۃ کا اجرا کیا، شیخ نے قیامِ عُیَینہ کے دوران میں ابن معمر کے ہاتھ سے یہ دو کام اچھے کرائے لیکن ان کے دشمن اس میں بھی حرف نکالتے تھے۔

شیخ نے عُیَینہ ہی میں اپنے تبلیغی رسالوں کا سلسلہ شروع کیا، جو مرتے وقت تک جاری رہا، درعیہ میں ان کے ماننے والے کچھ پیدا ہو گئے تھے، انہی کے نام آپ نے عُیَینہ سے ہدایت نامے جاری کئے تھے (روضۃ الاذکار جلد ۱ ص ۲۰)

عُیَینہ سے اِخراج عُیَینہ میں کامیابی قدم لینے کو تھی، اور اصلاح کی مہم مکمل ہوتی جا رہی تھی کہ قدرت نے ایک شر پیدا کیا جس میں ہزاروں برکتیں پنہاں تھیں۔

"ہونے والی بات، ایک عورت شادی شدہ گناہ کی مرتکب ہوئی اور اُس نے شیخ کے سامنے گناہ کا اعتراف بھی کر لیا، بار بار جرح کرنے پر بھی وہ اپنے اقرار سے نہ پھری، مجبوراً شیخ نے سنگساری کا حکم دیا عثمان بن معمر نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ یہ فرض انجام دیا، سب سے پہلا شخص جس کا ہاتھ پتھر کی طرف بڑھا، وہ عثمان تھا[۵۱]"

اس "غیر متوقع حادثہ" نے اطراف و جوانب میں تہلکہ پیدا کر دیا خصوصیت کے ساتھ اُن حلقوں میں جو برائیوں کے خوگر تھے اور زیادہ کھلبلی مچی، بات لگانے والے سلیمان بن محمد عزیز الحمیدی (حاکم احسا و قطیف) کے دربار میں پہنچے، اور اسے شیخ کی مخالفت پر آمادہ کیا، یہ شخص نہایت رنگیلا اور آوارہ مزاج تھا، رجم کے واقعہ سے اس کا برہم ہونا بالکل متوقع تھا، کہنے والوں نے اس سے کہا کہ یہ شخص ابن عبدالوہاب تمہاری آزادیوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا ہے، بات لگتی ہوئی تھی اس کے دل میں جم گئی، اُس نے فوراً عثمان بن معمر امیر عُیَینہ کو تہدید آمیز انداز میں لکھا۔

---

[۵۱] روضۃ الاذکار جلد ۲ ص ۳-۲ عنوان المجد جلد ۱ ص ۱۰؛ فلبی نے بھی ابن غنام کے بیان کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ کیا ہے، (Arabia, ص ۱۱)؛ محمد حامد فقی (ص ۵۵) نے بھی اس کی تفصیل کی ہے۔

"یہ مطوع[۵۱] جو تمھارے ہاں مقیم ہے، اس نے ایسے ایسے ...... کام کیئے ہیں، اُسے قتل کرو، ورنہ تمھیں ہمارے ہاں سے جو کچھ ملتا ہے، وہ سب روک دیا جائے گا۔"[۵۲]

چونکہ وہ رقم کافی تھی، یعنے مال و متاع کے علاوہ بارہ سو دینار[۵۳] سالانہ، اس وجہ سے وہ ایسا متردد ہوا کہ دنیا کی طمع توحید کی حمایت پر غالب آنے لگی، ابھی اس کا سینہ دعوتِ توحید کا محرم نہیں بنا تھا، نہ اُسے یہ معلوم تھا، کہ حق کا ساتھ دینے والوں پر غیب سے کیا کیا انعامات ہوتے ہیں؟ اسی حیص بیص میں اس نے شیخ کو سلیمان حاکم احساء کے پیام کی اطلاع دی، شیخ نے اُسے تسلی دینا چاہی اور پورے یقین کے ساتھ اُسے سمجھانے کی کوشش کی، ابنِ بشر (ص۱۱) کی زبانی شیخ کے یہ الفاظ سننے کے لائق ہیں:

اِنَّ ھٰذا الذی انا قمت — میں جو اس چیز کو لے کر کھڑا ہوا ہوں

---

۵۱ اہلِ نجد کی زبان میں مولوی اور فقیہ کو مطوع کہتے ہیں، جمع مطاوعہ استعمال ہوتی ہے موحدین کی نئی منظم برادری اخوان میں بھی مبلغوں کی جماعت مطاوعہ کہلاتی ہے۔

۵۲ سلیمان الحمیدی نے جن الفاظ میں عثمان کو دھمکی دی ہے (فان لم تفعل قطعنا خراجك الذی عندنا فی الاحساء) ان سے صاف پتہ نہیں چلتا کہ یہ افسر کی طرف سے تہدید ہے یا ماتحت کی طرف سے بغاوت کی دھمکی فلبی (ص۱۱) کی رائے میں سلیمان عُیَینہ کی امارت کا متبوع اور سردار (SUZERAIN) معلوم ہوتا ہے بعد کی تفصیل میں بھی بار بار اُمرنا سلیمان آیا ہے، اس سے بھی فلبی کی رائے کی تائید ہوتی ہے محمد حامد فقی (ص۵۵) نے صراحت سے لکھا ہے کہ ابن معمر سلیمان کی طرف سے عُیَینہ کا عامل تھا

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

به ودعوت اليه كلمة	اور اس کی دعوت دی ہے وہ کلمۂ
لا اله الا الله واركان	لا الٰہ الا اللہ ارکانِ اسلام اور امر بالمعروف
الاسلام والامر بالمعروف	ونہی عن المنکر (کی دعوت) ہے، اگر تم
والنهي عن المنكر فان	اس کو مضبوط پکڑ لو اور اس کی مدد کرو
انت تمسكت به ونصرته	تو اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے دشمنوں
فان الله سبحانه يظهرك	پر غالب کرے گا۔ سلیمان کی وجہ
على اعدائك فلا يزعجك	سے تمھیں پریشان ہونے
لسليمان ولا يفزعك	اور گھبرانے کی ضرورت
.... الخ	نہیں؛

شیخ نے ہر طرح کوشش کی، پر جب زوالِ دنیا کا خوف قلب پر طاری ہوگیا ہو تو پھر کوئی فہمائش کام نہیں کرتی، شیخ کی موثر اور پُرامید نصیحت سے پہلی مرتبہ تو وہ رُک گیا، لیکن پھر اس سے نہ رہا گیا، اور شیخ کے پاس دوبارہ کہلا بھیجا۔

"سلیمان نے ہمیں آپ کے قتل کا حکم دیا ہے اور ہم میں اس کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں، اور نہ یہ ہماری مروت ہوگی، کہ آپ کو اپنے گھر میں تہ تیغ کریں۔ اس لئے آپ آزاد ہیں، ہمارا علاقہ چھوڑ دیں"۔ (عنوان ص۱۱)

یہ پیام دیا، اور اپنے ایک سپاہی فرید الظفیری کی ہمراہی میں عُیینہ کے حدود سے باہر کر دیا اس "اخراج" کی داستان بھی عبرت انگیز اور پُردرد ہے، ریگستانِ عرب کی

(بقیہ حاشیہ ص۳۱) پتہ نہیں ان کا ماخذ کیا ہے؟ ۵۲ اسلم صاحب نے (تاریخ نجد ص۳۵) بارہ ہزار دینار لکھا ہے جو غالباً صحیح نہیں اصل ماخذ عنوان المجد (ص۱۰) میں صاف "اثنا عشر مائة احمر" ہے۔

سخت دھوپ، شیخ آگے آگے پیادہ پا، ہاتھ میں صرف ایک پنکھا اور پیچھے پیچھے قریب گھوڑے پر سوار" ابن بشر نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ابنِ معمر نے در پردہ شیخ کے قتل کا بھی حکم دے دیا تھا شیخ آگے آگے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب کا ورد کرتے ہوئے چلے جاتے تھے، سپاہی نے راستہ میں بات نہیں کی جب اُس نے قتل کا ارادہ کیا، تو خود اس کے بیان کے مطابق کسی غیبی طاقت نے اُس کا ہاتھ روک لیا، اور اُس پر رُعب طاری ہو گیا، اور اسی عالم میں وہ اُلٹے پاؤں عُیَیْنہ کی طرف واپس ہو گیا۔ صداقت کا اس پر کچھ ایسا رُعب طاری ہوا کہ سچ مچ اسے اپنی جان خطرہ میں نظر آنے لگی (عنوان المجد)

درعیہ میں ۱۱۵۷ھ	ابنِ معمر کے حدود سے نکل کر شیخ نے درعیہ کا رُخ کیا، اور عصر کے وقت وہاں پہنچے

پہلے وہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن سویلم العریٰی کے گھر اُترے، اور پھر اپنے ایک شاگرد احمد بن سویلم کے ہاں منتقل ہو گئے، خبر پاتے ہی امیر درعیہ محمد بن سعود اپنے بھائیوں، مشاری اور ثنیان کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا، اور سب نے مل کر شیخ کو امداد اور فرماں برداری کا یقین دلایا،

(روضۃ الافکار جلد ۲ صفحہ ۴)

یہ مختصر روداد ابنِ غنام سے منقول ہے، حلبی نے بھی اسی پر اکتفا کیا ہے (صلا) ابنِ بشر نے اس اہم واقعہ کو جسے شیخ کی تبلیغی زندگی میں خاص اہمیت حاصل ہے، ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ابنِ غنام کے بعد ہم ابنِ بشر کی روایت بھی ذیل میں درج کرتے ہیں۔

> "شیخ درعیہ عصر کے وقت پہنچے، جہاں وہ ایک خوش بخت انسان محمد بن سویلم العریٰی کے گھر اُترے، بیچارہ عربی اخلاق سے مجبور ہو کر کچھ نہ بولا، پر امیر کے خوف سے اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے، شیخ نے نصیحت کی اور تسکین دی سیجعل اللہ لنا ولک فرجا و مخرجا"

امیر محمد بن سعود کی معاونت	ابن سویلم کے گھر ٹھیرے، تو وہ دعوتِ توحید کا مرکز بن گیا لوگ چھپ چھپ کر

آنے لگے اہلِ علم خاص طور پر مستفید ہوتے، لیکن یہ صورت قابلِ اطمینان نہ تھی، شیخ نے امیر سے سلسلہ جنبانی کرنا چاہی، اور امیر کے بھائیوں مشاری اور ثنیان سے گفتگو کی، انھوں نے پہلے امیر کی بیوی موضی بنتِ ابی وحطان سے جو نہایت ذی فہم اور متدین خاتون تھی، شیخ کے علم و فضل کی تعریف کی اور اسے امیر سے سلسلہ جنبانی پر آمادہ کیا، قدرت کو یونہی کرنا تھا موضی کے دل پر خود بخود شیخ کے علم و فضل کا سکہ جم گیا اُس نے امیر سے عرض کی:۔

"اللہ نے یہ نعمت تمھارے ہاں بھیج دی ہے، اٹھو اور اس کی مدد کرو تمھاری دنیا و آخرت دونوں سنور جائے گی"

امیر محمد بن سعود جو شیخ کی دعوت سے پہلے بھی حسنِ اخلاق میں مشہور تھا اپنی بیوی کی گفتگو سے متاثر ہوا اور اس کے دل میں شیخ کی محبت گھر کر گئی، سب کے اصرار سے اُس نے ملنے میں پہل کی اور اخلاق و عقیدت سے پذیرائی کی، شیخ نے جواب میں اپنی دعوت کے اہم حصوں (کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم، امر بالمعروف نہی عن المنکر جہاد) پر مختصر سی تقریر کی اور اہلِ نجد کی برائیوں سے آگاہ کیا اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔

امیر متاثر ہوا اور بے ساختہ بول اُٹھا:۔

"اے شیخ! یہ تو بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول صلعم کا دین ہے، میں آپ کی امداد و اعانت اور مخالفینِ توحید سے جہاد کے لئے تیار ہوں لیکن میری دو شرطیں ہیں:۔

۱- اگر ہم نے آپ کی مدد کی، اور اللہ نے ہمیں فتح دی تو آپ ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں۔

۲- اہلِ درعیہ سے فصل کے وقت میں کچھ مقررہ محصول لیتا ہوں آپ مجھے اس سے نہ روکیں"

شیخ نے جواب دیا:۔

"پہلی شرط پر بسر و چشم منظور ہے ہاتھ لاؤ: الدم بالدم والھدم بالھدم

(میرا خون تمہارا خون اور میری تباہی تمہاری تباہی) رہی دوسری شرط سو انشاء اللہ تمہیں فتوحات اور غنیمتوں میں اتنا کچھ مل جائے گا کہ اس خراج کا خیال بھی دل میں نہیں آئیگا۔"

امیر نے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عہد کیا کتاب و سُنت کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی آمادگی ظاہر کی، یہ ۱۱۵۷ھ یا ۱۱۵۸ھ کا ذکر ہے۔ امیر کا بیعت کرنا تھا کہ جوق جوق لوگ استفادہ اور تجدید ایمان و اعمال کے لیے آنے لگے۔ عُنیہ کے پرانے رفیق یافتہ اور ہمنشین جن کے دلوں میں شیخ کی دعوت گھر کر چکی تھی درعیہ آ گئے ان آنے والوں میں خود عثمان بن معمر رئیس عُیینہ کے بعض عزیز بھی تھے۔

ارادت مندوں کا پہلا گروہ | یوں تو عُیینہ ہی کے دورانِ قیام میں شیخ کی طرف لوگ کھنچنے لگے تھے لیکن ایک عرصہ تک بدعات اور تاریکی میں گھرے رہنے کے بعد عام طور پر خلقت قبولِ حق میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی تھی درعیہ کے قیام اور امیر محمد بن سعود کی نیک نامی نے دعوت کی کامیابی کے لیے اچھی زمین تیار کر دی، جن خوش قسمت لوگوں نے آغاز کار میں جوش و خروش کے ساتھ دعوت پر لبیک کہا اور اس سلسلہ میں خود بھی ابتلاء و محن سے دوچار ہوئے ان میں بعض نام ابنِ غنام کی عنایت سے ہم تک پہونچ گئے ہیں۔

خاندانی اور باوجاہت لوگوں میں محمد بن سعود کے تین بھائیوں مشاری ثنیان اور فرحان کے نام چلے آتے ہیں، اہل علم میں احمد بن سویلم اور عیسیٰ بن قاسم زیادہ ممتاز تھے اور عام سوانح

ے ابنِ غنام ان سب واقعات کا مختصر ذکر کرتا ہے اور ۱۱۵۷ھ کے حدود میں کانت ھذہ الامور... فی حدود سنۃ سبع و خمسین بعد المائۃ والالف من الھجرۃ (جلد ۲ ص۴) اوپر کی تفصیلات ابنِ بشر کی عنوان المجد سے ماخوذ ہیں (جلد ۱ ص۱۱-۱۲) وہ شیخ ترک عُیینہ اور اقامت درعیہ کی تاریخ ۱۱۵۸ھ بتاتا ہے (ص۱۵) لیکن الزہرا میں اسی عنوان المجد کے حوالہ (ص۱۶) سے انتقال درعیہ کی تاریخ ۱۱۵۸ھ بتائی گئی ہے، ہمارے پاس عنوان المجد کا نیا مکمل اڈیشن ہے (مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۳۴۹ھ) ممکن ہے پہلے ناقص اڈیشن (مطبوعہ بغداد ۱۳۲۸ھ) میں ایسا ہی چھپ گیا ہو۔ محمد حامد فقی نے بھی شیخ کے درعیہ منتقل ہونے کی تاریخ ۱۱۵۸ھ بتائی ہے۔

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

دانش کے اعتبار سے محمد الخرملی عبد اللہ بن دغیشر، سلیمان الوشیقری حمد ابن حسین اور محمد بن حسین کے نام آج تک زبان زد ہیں فلبی (ص ۱۲-۱۳) کے بیان کے مطابق:-

"یہ وہابیت کے پہلے بہادر کارکن تھے، ان کے نام آج تک عزت سے لیئے جاتے ہیں اور ان کی اولاد سلطان کے دربار میں اعزاز کی مستحق سمجھی جاتی ہے"

ابن معمر کی زود پشیمانی دعوت کی روز افزوں عمومیت اور مقبولیت کی خبر پاکر ابن معمر سے نہ رہا گیا، اُسے اپنے پہلے طرزِ عمل پر بڑی پشیمانی ہوئی اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی ساتھ ساتھ عُیَینہ واپس چلنے کی درخواست بھی کی، شیخ نے جواب میں صاف کہا:-

"اب یہ امیر ابن سعود کے اختیار میں ہے ان کی اجازت ہو تو میں تیار ہوں ورنہ انہیں چھوڑ کر اب کسی دوسرے کی رفاقت منظور نہیں"

یہ واضح جواب پاکر ابن معمر نے خود بزبان محمد بن سعود سے اجازت طلب کی لیکن وہ اس نعمت کو اپنے گھر سے کسی دام پر الگ کرنے کو تیار نہ تھے (عنوان ص ۱۳)

دورِ عمل شیخ کی تشریف آوری سے پہلے درعیہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا، جہاں جہالت کی گرم بازاری تھی، شیخ نے سب سے پہلے وعظ و درس کے حلقے قائم کیئے اور خود صبح سے شام تک آپ نے داؤد کو کتاب و سنت کی تعلیم دینے اور اپنی دعوت، دعوتِ توحید و اخلاص فی عبادۃ اللہ کی اہم اور ضروری چیزیں ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے شیخ کی جاذب شخصیت اور دعوت کی سچائی نے فوری اثر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) ۔ یوں تو اس دعوت اور پھر آگے چل کر جہاد و قتال کے سلسلے میں امیر محمد بن سعود اور ان کے پورے گھرانے نے نمایاں کام کیئے لیکن یہاں بحث صرف شیخ کی دعوت سے ہے اور اس سلسلہ میں ثنیان بن سعود (م ۱۱۸۱ھ) اور مشاری بن سعود (م ۱۱۸۹ھ) زیادہ ممتاز ہیں، مشاری نے بھائی کی بڑی امداد کی اور ان کے بیٹے حسن بن مشاری نے لڑائیوں میں شمشیر زنی کے خوب خوب جوہر دکھائے، ثنیان بن سعود زاہد اور عفیف النفس تھے گو وہ بینائی سے محروم تھے لیکن ان کی بصیرت بڑھی ہوئی تھی اصل میں محمد بن سعود انہی کے مشورہ سے شیخ کی امداد پر کمربستہ ہوئے (روضۃ الافکار جلد ۲ ص ۹)

۱۰۵ عنوان المجد جلد ۲ ص ۱-۹)

دکھایا، مجالسِ وعظ وتذکیر سے یہ فائدہ پہنچا کہ دلوں سے مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ آبَاءَنَا کا زنگ دور ہونے لگا اور رسم ورواج کے خرافات کو وہ صرف قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھنے لگے۔

اِن مجالس کی کشش دور دور سے تشنگانِ علم کو درعیہ لے آئی جہاں رزق کی تنگی کے باعث یہ علم وعمل کے پیاسے راتوں کو کسی حرفت کے ذریعہ قوتِ لایموت حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور دن کا وقت اللہ کی کتاب اور اس کے برگزیدہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بتائی ہوئی باتوں کے سننے کے لئے وقف رہتا، شاگردوں اور ارادت مندوں کی زیادتی اور ان کی میزبانی کے باعث شیخ برابر مقروض رہتے بہر حال دعوت کی مقبولیت دن بدن بڑھتی گئی اور آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔ (عنوان ص ۱۲۵)

دعوت کی وسعت

اہلِ درعیہ تو شیخ کے قدم رکھتے ہی عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے لیکن وہ اس پر قانع نہ تھے نجد کے مختلف حصوں اور ان کے سرداروں کو ترغیب دیتے اور اپنی دعوت سے آگاہ کرتے گو مخالفتیں بھی ہوئیں اور افترا پردازیوں میں بھی کوئی کمی نہیں کی گئی پھر بھی حق کی آواز بلند ہوتی گئی، اور آہستہ آہستہ اس کے ثمرات بھی ظاہر ہونے لگے، قیامِ درعیہ کے دوسرے ہی سال (۱۱۵۸ھ یا ۱۱۵۹ھ عنوان ص ۱۲) امیر عُیینہ نے آکر بیعت کی اور حدودِ شرعیہ کے نفاذ کا عہد کیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد اہلِ حریملا نے بھی بیعت کی ادھر امیر محمد بن سعود کی معاونت کا یہ عالم تھا کہ خمس اور زکوٰۃ کی تمام رقمیں شیخ کے ہاتھ میں دی جاتیں اور وہ انھیں بے دریغ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے، امیر ابن سعود اور ان کے جانشین عبد العزیز بن محمد بن سعود (جو ۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۵ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد منصبِ امارت پر متمکن ہوئے) شیخ کی اجازت کے بغیر ادنیٰ تصرف روا نہیں رکھتے باہمہ شیخ کی للّٰہیت کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے پاس ایک حبّہ بھی نہیں رکھتے اور جو کچھ آتا سب اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے۔

ابنِ بشر کا بیان ہے (ص ۱۵) کہ خمس اور زکوٰۃ سے جو کچھ آتا وہ فوراً تقسیم کر دیتے ان کی اس فراخ دستی کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ برابر مقروض رہتے، صرف فتح ریاض ۱۱۸۷ھ / ۱۷۷۳ء کے وقت ان پر چالیس ہزار قرض تھا[1]

۱؎ ریاض پر مکمل قبضہ ربیع الثانی ۱۱۸۷ھ کے اواخر میں یا اس کے بعد ہوا (جولائی ۱۷۷۳ء) روضۃ الافکار جلد ۲ ص ۹۷، ۹۵؛ عنوان المجد جلد ۱ ص [illegible]؛ فلبی، ص ۲۵۔

جو مالِ غنیمت سے ادا کیا گیا" (عنوان ص ۱۵)

یہ سارا قرض، اور یہ تمام دریادلی تبلیغ کے سلسلہ میں ہوتی تھی جو فتحِ ریاض تک برابر جاری رہی فتح ریاض کے بعد شیخ کو اپنی دعوت کی کامیابی کے متعلق ایک گونہ اطمینان ہو گیا تو انھوں نے امیر عبد العزیز کو سیاہ و سپید کا مالک بنا کر اپنے کو بیت المال کے انتظامات سے بالکل الگ کر لیا اور اپنی تمام توجہ تعلیم و تدریس پر مرکوز کر دی لیکن عبد العزیز شیخ کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتے، ہر کام میں اُن کی رائے مقدم تھی (عنوان ص ۱۵)

تبلیغِ عام اب تک شیخ کی دعوت نجد کے اضلاع تک محدود رہی لیکن یہ دعوت عام تھی اصلاح کی ضرورت صرف نجد میں نہ تھی، تمام اسلامی دنیا انحطاط کے عالم میں تھی، اصلاح کی ابتدا گھر سے ہوتی ہی اس لئے قدرتی طور پر عُیینہ، حریملا، درعیہ اور عارض کے دوسرے قصبے شیخ کی دعوت کے اولین مرکز بنے لیکن جونہی اِن علاقوں میں زندگی کی علامتیں ظاہر ہوئیں، شیخ نے اپنی دعوت کا حلقہ وسیع کیا، اور دُور دُور کے شہروں کے عُلماء، امراء اور قضاۃ کے پاس تبلیغی خطوط بھیجے اور انہیں اپنی دعوت کے قبول کرنے پر آمادہ کرنے لگے، پر کم تھے وہ جنھوں نے شروع شروع دعوت قبول کی زیادہ وہ تھے جنھوں نے شیخ کی دعوت کا مذاق اُڑایا، کسی نے انھیں جاہل کہا کسی نے جادوگر اور کسی نے ایسی تہمتیں لگائیں جن سے وہ پاک تھے (عنوان ص ۱۴)

دعوت پر لبیک کہنے والوں اور اس کی حمایت کرنے والوں میں سب سے زیادہ ممتاز صنعا یمن کے مجتہد النظر عالم امیر محمد بن اسمٰعیل[۱] (م ۱۱۸۲ھ) تھے جنھوں نے شیخ کی دعوت پا کر اپنا مشہور وجد آفریں قصیدہ لکھا جو اہلِ علم میں بہت مقبول ہوا، اس کا مطلع یہ ہے :-

سلامی علیٰ نجدٍ و من حل بالنجد — و ان کان تسلیمی علی العبد لا یجدی

اس قصیدہ میں شیخ کی مدح، بدعات کی برائی اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ کی پُر زور تردید اور بہت سی مفید باتیں ہیں۔

امیر محمد بن اسمٰعیل کو شیخ کی دعوت سے زیادہ خوشی اس لئے ہوئی کہ وہ اس سے پہلے اپنے کو

۱ے امیر محمد بن اسمٰعیل یمنی صنعانی اپنے وقت کے امام اور مجتہد مطلق کا رتبہ رکھتے تھے ولادت شب جمعہ ۱۵ جمادی الآخر ۱۱۹۹ھ کحلان میں ہوئی۔ وفات کی تاریخ سہ شنبہ ۳ شعبان ۱۱۸۲ھ ہے ان کے مختصر توحیدی رسالے تطہیر الاعتقاد عن ادران الالحاد کا حوالہ آچکا ہے آگے بھی ذکر آئے گا (ص ۶۹، ۱۶۸) تصنیفات کے لئے ملاحظہ ہو بروکلمن ذیل: ج ۲ ص ۵۵۶؛ دیگر حالات کے لئے البدر الطالع جلد ۲ ص ۱۳۳-۹

اس باب میں منفرد خیال کرتے تھے جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے:-

لقد سرّنی ما جاءنی من طریقۃٍ وکنت اری ھذی الطریقۃ لی وحدی

شیخ کو امیر یمنی کے قصیدے اور تائید سے بڑی تقویت ہوئی بعض سالوں میں انھوں نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے (ابن غنام جلد ۲ صـ۴۲ مکمل قصیدے کے لئے ملاحظہ ہو، ابن غنام جلد ۱ ص ۵۶۸)

شیخ کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب (م ۱۲۰۸ھ عنوان ج ۱ صـ۱۰۲) جو اپنے باپ کی جگہ حریملا میں قاضی تھے اول اول ان کے مخالف ہوئے، اور ان کی تردید میں رسالے لکھے جو غلط بیانیوں سے پر تھے (۱۱۶۷ھ) ابن غنام کی زبان میں انھوں نے "حسداً وغیرۃً" مخالفت کی تھی (جلد ۲ صـ۲۱) شیخ نے ان کی تردید میں رسالے بھی لکھے (ابن غنام جلد ۲ صـ۵۲-۲۴) لیکن آخر میں انھیں توفیق ہوئی اور اپنے بھائی کے پاس تائب ہو کر آئے (ابن غنام جلد ۲ صـ۱۰۸)

"رجع الی اخیہ بالدرعیۃ تائباً سنۃ ۱۱۹۰ فاحسن الیہ الشیخ واکرم مثواہ"

۱۱۹۰ھ میں تائب ہو کر اپنے بھائی کے پاس درعیہ آئے تو شیخ حسن سلوک سے پیش آئے اور ان کی آؤ بھگت کی سلیمان بن عبدالوہاب کا رسالہ الصواعق الالھیۃ فی الرد علی الوھابیۃ کے نام سے چھپا ہوا ملتا ہے، مخالف اس رسالہ کا ذکر کرتے ہیں لیکن سلیمان کی توبہ اور رجوع کا نام بھی زبان پر نہیں لاتے۔

سلیمان بن عبدالوہاب کی مخالفت ۱۱۶۷ھ میں بہت تیز ہو گئی تھی اسی سال شیخ نے اطراف و اکناف سے مسلمانوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اپنی دعوت کی واضح اور کھلی تقریر کی (ابن غنام: ۲، ۲۳)

دعوت کی بنیاد اور اس کی موافقت و مخالفت کا ذکر آگے تفصیل سے آئے گا یہاں صرف دعوت کی عمومیت دکھانا تھی تشنگان علم تو درعیہ جوق جوق آتے ہی تھے شیخ کے تبلیغی رسائل مبلغین اور ہدایت نامے بھی اطراف و اکناف میں بھیجے جاتے تھے

ابن دواس اور دوسرے مخالف | درعیہ کی اقامت کے تیسرے ہی سال ۱۱۵۹ھ و ہام بن دواس حاکم ریاض کی زیادتیوں نے

(بقیہ حاشیہ صـ۳۸) عنوان المجد جلد ۱ ص ۶-۵۳- اسلم صاحب نے سنہ وفات ۱۱۸۱ھ (تاریخ نجد صـ۱۴۷) لکھی ہے جو صحیح نہیں۔ حاشیہ صفحہ ۱۱۱ نیز ملاحظہ ہو عنوان المجد جلد ۱ صـ۶۵)

شیخ اور امیر محمد بن سعود کو اپنی طرف متوجہ کیا، ریاض اور منفوحہ کے موحدین کو صرف اتباعِ شیخ کے جرم میں اس نے گوناگوں زیادتیوں کا شکار بنایا مجبوراً شیخ نے بھی اپنے پیرووں کو مقابلہ اور مقاتلہ کا حکم دیا پھر کیا تھا امیر محمد بن سعود اور ان کے بھائیوں اور بیٹوں نے معاندین کی خوب خبر لی اور جنگ و قتال کا سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا۔

صرف دہام بن دواس حاکم ریاض سے پچیس تیس سال چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ قائم رہا ۱۱۵۹ھ سے ۱۱۸۷ھ تک دونوں قوتیں برسرپیکار رہیں آخر ۱۱۸۷ھ میں عبدالعزیز محمد سعود کے تازہ حملہ کی خبر پاکر ابنِ دواس شہر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور قلبِ نجد (ریاض) پر امیر عبدالعزیز کا مکمل قبضہ ہو گیا (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو قلمی ص۱۳-۲۵ ابن غنام اور ابنِ بشر کی ترتیب سنین کے اعتبار سے ہے اس لئے یکجا واقعات نہیں مل سکتے)

اسی دوران میں آس پاس کی دوسری طاقتیں بھی حملہ آور ہوئیں عثمان بن معمر حاکم عیینہ نے بار بار دھوکہ دیا اہلِ نجد اور شیخ کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر مخالفوں نے اوچھے ہتھیار استعمال کرنا شروع کئے سلیمان بن محمد بن سحیم نے شیخ پر بہتان باندھے اور ان کی طرف قسم قسم کی برائیاں منسوب کیں خلیج فارس، احسا اور دوسرے ملکوں کو اس نے رسالے لکھ کر بھیجے (ابنِ غنام جلد ۱ ص۳۷) شیخ نے ان میں سے ایک رسالہ کا مفصل جواب دیا ہے (ص ۱۴۲-۱۶۷) قرار داد کی اور جواب کی نوعیت پر آگے گفتگو ہوگی، ایک طرف یہ نام نہاد علم و عمل کے اجارہ دار تھے دوسری جانب چھوٹے چھوٹے علاقوں کے سردار اپنی اپنی خودمختاری کے بچاؤ کی خاطر افترا پردازوں کا ہاتھ بٹانے لگے۔

پھر ان تمام رکاوٹوں کے باوجود دعوت کا حلقہ وسیع ہوتا گیا اور مطوع درعیہ سے نکل کر نجد کے تمام علاقوں میں پھیل گئی تا آنکہ کم از کم قلبِ جزیرہ میں محمد بن عبداللہ (مفدی بابی وامی) (صلعم) کی تعلیمات اپنی اصلی صورت میں جلوہ گر ہو گئیں۔

وفات | شیخ نے پچاس سال مسلسل دعوت و تبلیغ کے بعد شوال یا ذیقعدہ ۱۲۰۶ھ میں رحلت کی (جون یا جولائی ۱۷۹۲ء)[1]

---

[1] ابنِ غنام (۲: ۴۷) کے مطابق شوال ۱۲۰۶ھ جون ۱۷۹۲ء کے آخری (بقیہ حاشیہ ص۴۱ پر

دنیا و ما فیہا سے بے نیاز عجیب ہستی تھی، کم لوگوں کو اپنی زندگی میں ایسی مقبولیت حاصل ہوئی ہوگی،

شیخ کے شاگرد ابن غنام نے ایک پر درد مرثیہ لکھا تھا، جو روضۃ الافکار (ص ۱۶۵) میں منقول ہے، اس کا مطلع ہے:-

الی اللہ فی کشف الشدائد نفزع ۔۔۔ ولیس الی غیر المھیمن مفزع

محمد حامد فقی (ص ۳۰)، نے محمد بن علی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) کا بھی ایک مرثیہ نقل کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے:-

مصاب دھا قلبی فاذکی غلائلی ۔۔۔ واصمی بسھم الافتجاع مقاتلی

ایک بڑی خصوصیت تاریخ اسلام میں بارہا ایسا ہوا ہے، کہ غیر معمولی شخصیتیں مہدویت یا مسیحیت کے لباس میں جلوہ گر ہوئی ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ وہ مفید ہونے کے بدلے دین اور اس کی وحدت کے لیے انتہائی مضر ثابت ہوئی ہیں، ہم

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵) دوشنبہ کو وفات ہوئی! ابن بشر (۱: ۹۵) اواخر ذیقعدہ ۱۲۰۶ھ، (جولائی ۱۷۹۲ء) کی تصریح کرتا ہے، فلبی (ص ۴۵) نے تاریخ رحلت اواسط اپریل ۱۷۹۲ء بتائی ہے، صحیح تاریخ نہ معلوم ہونے کے باعث بروکلمن (ذیل، ۲: ۵۳۰) سے ۱۷۹۱ء کی مطابقت میں چوک ہوگئی ہے، مارگولیوتھ (انسائکلوپیڈیا آف اسلام) (وہابیت ۴: ۱۰۸۶) نے تاریخ وفات ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۷ء بتائی ہے، جو فاش غلطی ہے، لبیب بتنونی (الرحلۃ الحجازیہ ص ۵۳) نے بھی تاریخ وفات غلط (۱۲۰۷ھ) لکھی ہے، الرحلۃ الحجازیہ کا ماخذ غالباً زینی دحلان کی کتاب خلاصۃ الکلام رہی ہے، (ملاحظہ ہو: ص ۲۲۹) مزید لطف یہ ہے، کہ دحلان تاریخ ولادت (۱۱۱۱ھ) اور تاریخ وفات (۱۲۰۷ھ) دونوں غلط بتاتا ہے، لیکن عمر (۹۲ سال) صحیح لکھتا ہے (" ") الدرر السنیۃ (ص ۵۳) میں دحلان نے تاریخ وفات صحیح لکھی ہے، لیکن اور دلچسپیاں بدستور ہیں،

اسے شیخ الاسلام کی دعوت کی انتہائی کامیابی خیال کرتے ہیں، کہ ان کی تعلیمات اور ان کے پیروان اوہام سے بالکل الگ تھلگ اور خطرات سے بال بال بچے رہے۔ بعض جاہلوں نے[۵] افترا پردازیاں کیں، پر ان کے ماننے والے اور جانشین اپنے عقیدوں میں اپنے صاف اور واضح تھے، کہ ان کی ایک نہ چلی، اور نجد کے موحد پر کوششوں کے باوجود ان کی تصنیفات اور رسالوں سے کوئی ایسا الزام نہ تراشا جاسکا، ان کی کتابیں کھلی ہوئی اور دو دو چار کے انداز میں اپنے لکھنے والے کی جرأت اور صداقت کی شہادت دیتی ہیں، پوری کتاب التوحید پڑھ جاؤ، کوئی غموض، تصوف، توہم، دور از کار باتیں منطقیانہ استدلال، یونانی کج بحثی، ان میں کسی چیز کا ادنیٰ شایبہ نہ ملے گا،

دوسری خصوصیت | محمد بن عبدالوہابؒ ایک ٹھیٹھ عالم تھے، پر ان کی نگاہیں بڑی دور رس تھیں، انھوں نے اپنی زندگی میں دعوت کے ثمرات دیکھے، دینی ثمرات بھی، اور دنیوی پھل پھول بھی، ان کی زندگی میں نجد کا پورا علاقہ مفتوح ہو چکا تھا، امیر نجد اور اس کے اہلِ خاندان قدموں پر جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے، سارا جاہ وحشم شیخ کی جوتیوں کا صدقہ تھا، مجاہد اور عام قوم انہی کو جانتی تھی، اور انہی پر فریفتہ تھی، وہ چاہتے تو سلطنت میں اپنی اولاد کا حصہ رکھتے، خود زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے، لیکن انھوں نے اپنے کو ان ذمہ داریوں سے یکسر الگ رکھا، امیر محمد بن سعود اور ان کے جانشین امیر عبدالعزیز ان کے مشوروں کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے اور نہ کرنا چاہتے سارا مالِ غنیمت ان کے قدموں پر لاکر ڈال دیا جاتا، لیکن اس اللہ کے بندے نے اپنے کام سے کام رکھا، جب تک ضرورت رہی دخل دیتے رہے، جونہی انھوں نے

---

[۵] ملاحظہ ہو، احمد زینی دحلان: الدرر السنیہ صفحہ ۴۶،

محسوس کیا کہ اب دعوت کی بنیادیں استوار ہو گئی ہیں، اپنے کو ملکی انتظامات اور مالِ غنیمت کے نظم ونسق سے یکسر الگ کر لیا، شیخ کی اس بے نفسی کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اون کی اولاد بھی دنیاوی جاہ وحشم سے الگ دین کی خدمت میں مصروف رہی، اور آج تک جب کہ شیخ کی وفات کو ڈیڑھ سو برس ہو گئے، کبھی ان کی اولاد تخت و تاج کے لئے آلِ سعود سے دست وگریباں نہیں ہوئی۔

اولاد واحفاد۔ شیخ کے شاگردوں اور ان کے حلقۂ درس وارشاد سے مستفید ہونے والوں کا شمار واستقصار، تو تقریبًا ناممکن ہے، جس درس میں پچاس ساٹھ سال مسلسل خوشہ چینیوں کا تانتا بندھا رہا ہو، اس کی وسعت وہمہ گیری کا کیا ٹھکانا ہے؟ اگر شاگردوں کا ذکر کیا بھی جائے، تو تذکرے اور تراجم کی کیا بِساط الگ دامن پکڑتی ہے، اس لئے ہم شیخ کے شاگردوں میں صرف ان کی اولاد واحفاد کا تذکرہ کریں گے، جو بجا طور پر اب آلِ شیخ کے نام سے پکارے جاتے ہیں، اور یہی ان کا نسب ہے، یہ شیخ کی خوش نصیبی تھی، کہ اُنھوں نے اپنے ایسے جانشین چھوڑے، جو بالکل انہی کے طریقہ کے مطابق سنتِ رسول کے تتبع اور تبلیغ و تدریس میں مشغول رہے، اور اس سے زیادہ مسرت واعجاب کی بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ آج تک منقطع نہیں ہوا، اور عبد العزیز اول (۱۱۷۹ھ ۱۷۶۵ء تا ۱۲۱۸ھ ۱۸۰۳ء) کے عہد سے لے کر آج تک ان کی اولاد علم وعمل میں پورے نجد میں ممتاز رہے،

شیخ کثیر العیال تھے، بعض لڑکے ان کی زندگی ہی میں وفات پاگئے، وفات کے وقت اُنھوں نے چار بیٹے چھوڑے، حسینؒ، عبد اللہؒ، علیؒ، ابراہیمؒ،

ابن بشر کہتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ان کے درس میں طلبہ کا اتنا ہجوم دیکھا کہ اگر کسی سے بیان کیا جائے تو شاید اُسے یقین نہ آئے۔

"ان میں سے ہر ایک کے گھر کے پاس ایک مدرسہ تھا، جس میں پردیسی طالب علم رہا کرتے، اور ان کے مصارف بیت المال سے ادا ہوتے، یہ لوگ شب و روز تحصیلِ علم میں مصروف رہتے" (عنوان؛ جلد ۱ ص ۹۳)

ان میں حسینؒ بڑے تھے، اور شیخ کے بعد اصلی جانشین وہی سمجھے جاتے، درعیہ کے قضا پر مامور تھے، درعیہ کی جامع مسجد کی امامت بھی ان کے سپرد تھی، ۱۲۲۴ھ میں وفات پائی، (عنوان ج ۱ ص ۱۴۳) ان کے متعدد بیٹے تھے، اور سب کے سب علم و عمل میں ممتاز، ابن بشر نے علی، حمد، حسن، عبدالرحمٰن، عبدالملک کے نام گنائے ہیں، ان میں علی بڑے اور علم میں بھی ممتاز تھے، اس لئے اپنے اعمال کے مقابلہ میں منصب قضا پر مامور ہوئے، سعود بن عبدالعزیز (۱۲۱۸ھ ۱۸۰۳ء ۱۲۲۹ھ ۱۸۱۴ء) عبداللہ بن سعود (مصلوب ۱۲۳۴ھ ۱۸۱۸ء) ترکی بن عبداللہ (مقتول ۱۲۴۹ھ ۱۸۳۴ء) اور فیصل بن ترکی (م ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۵ء) مختلف امیروں کے عہد میں عہدۂ قضا پر مامور رہے، حمد زمانہ طالب علمی ہی میں وفات پا گئے، حسن ترکی بن عبداللہ کے زمانہ میں ریاض کے قاضی تھے، فقہ میں اچھی دستگاہ تھی، عمر کم پائی، اور ۱۲۴۵ھ میں دار آخرت کو چل بسے، عبدالرحمٰن ترکی اور فیصل دونوں کے دورِ حکومت میں منصب قضا پر فائز ہوئے، فقہ، تفسیر اور نحو کے اچھے عالم تھے، (عنوان جلد ۱ ص ۹۳) عبدالملک بن حسین بھی فیصل کے عہد میں حوطہ کے قاضی تھے، عبدالرحمٰن بن حسین، حسن بن حسین، عبدالملک بن حسین، سب کے سب شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد بن عبدالوہاب سے مستفید ہوئے (جن کا ذکر آگے

لـه دحلان (خلاصۃ الکلام ص ۲۲۹) نے لکھا ہے، کہ عبداللہ بڑے تھے، لیکن ابن بشر کی روایت و شہادت کے مقابلہ میں اسے کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی؛

آتا ہے۔ اسی طرح حسین بن شیخ الاسلام کی اولاد میں حسین بن حمد بن حسین بن شیخ الاسلام (قاضی حریق بہ عہد فیصل) حسین بن علی بن شیخ الاسلام (قاضی ریاض بہ عہد فیصل) اور عبداللہ بن حسن بن حسین بن شیخ الاسلام بھی شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ الاسلام سے مستفید ہوئے۔

شیخ کے دوسرے بیٹے عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب بھی بڑے عالم تھے ان کا شمار علمائے مصنفین میں تھا، حسین بن محمد کی وفات کے بعد یہی شیخ الاسلام کے جانشین مانے جاتے تھے، خود حسین بن محمد کی زندگی میں اُن کی علمی حیثیت مسلم ہو چکی تھی ۱۲۱۸ھ ۱۸۰۳ء میں امیر سعود بن عبدالعزیز کے مکہ مکرمہ کے وقت یہ ساتھ تھے، اور امیر سعود نے اپنی جماعت کے عقائد سے متعلق جو رسالہ تقسیم کرایا تھا وہ انہی عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے قلم کا لکھا ہوا تھا (الہدیۃ السنیۃ ص۴۵-۴۱: اس رسالہ اس کے ترجموں کا ذکر آگے مآخذ کے ضمن میں آئے گا) ۱۲۳۳ھ میں ابراہیم پاشا کے حملہ درعیہ کے وقت موجود تھے، لیکن مصری فوجوں کی وحشت اور غارت گری آپ سے دیکھی نہ گئی، آپ تلوار لے کر میدان میں کود پڑے:

(فشھر سیفہ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوھاب و انتداب واجتمعوا علیہ الخ (عنوان جلد۱ ص ۲۰۶)

اور خوب دادِ شجاعت دی، غالباً گرفتار کر کے مصر بھیج دئے گئے اور وہیں وفات پائی[1]

---

[1] ابن بشر شیخ عبداللہ بن محمد کی بہادری اور قتال کا ذکر کرتا ہے، لیکن شہادت کے بارے میں خاموش ہے، بعد کے صفحات میں مقتولین وشہدا کی فہرست (جلد اصفحہ ۲۱ ص ۲۰۸) میں ان کا نام نہیں آتا، عبداللہ بن سعود (مصلوب ۱۲۳۳ھ) کے عہد کے بعد کسی سلسلہ

ان کے دو بیٹے سلیمان بن عبداللہ اور علی بن عبداللہ سقوطِ درعیہ کے وقت قتل کئے گئے، سلیمان ممتاز عالم تھے، اپنے والد کی موجودگی میں درعیہ کے قاضی رہے (عنوان جلد ا صـ ۲۰۹) نیز امیر سعود کے دورِ امامت میں کچھ دنوں مکہ مکرمہ میں بھی انہوں نے قضا کے فرائض انجام دیئے، (ا: ۱۷۶) امیر سعود بن عبدالعزیز (۱۲۱۸ھ ۱۸۰۳ء - ۱۲۲۹ھ ۱۸۱۴ء) کی مجلس میں صحیح بخاری کا درس اُن کے سپرد تھا، (صـ ۱۷۱) جو بہت بڑا علمی امتیاز تھا خود عبداللہ بن شیخ الاسلام (امیر سعود کی مجلس میں تفسیر طبری اور ابن کثیر کا درس دیتے تھے، ابن بشیر (ا: ۱۶۹) خود ان مجلسوں میں شریک رہا ہے، اس کے بیان سے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵)

میں عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کا ذکر نہیں آتا ممکن ہے وہ اسی معرکہ میں شہید ہوئے یا اپنے خاندان کے دوسرے افراد کی طرح ابراہیم پاشاہ کے ہاتھ سے ذبح کئے گئے ہوں، اوکنلی (جرنل ایشاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۳۲ء صـ ۹۱) کے بیان سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے، وحلان (صـ ۱۲۹) سلیمان بن عبداللہ بن محمد عبدالوہاب کے قتل کا ذکر کرتا ہے، لیکن عبداللہ کے بارے میں خاموش ہے،

ابن بشر کا ایک دوسرا بیان عبداللہ بن شیخ الاسلام کے قتل کی تردید کرتا ہے، وہ لکھتا ہے:-

"عبداللہ مذکور کے ایک بیٹے عبدالرحمن تھے، جو انہی کے ساتھ کم سنی ہی میں مصر جلاوطن کر دئے گئے تھے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت ازہر کے رواق حنابلہ میں مقیم ہیں، اور اُن کے پاس طلبہ آتے جاتے ہیں، اور ان میں علمی ذوق ہے"، (جلد ا ص ۹۳)

ان علمی مجلسوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے، (۱: ص۱۶۹ ۱۹۸) ابن بشر نے ان کے طریقۂ تعلیم و تحدیث کا اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بہت ممتاز تھے، ص ۲۱۰، اسی لئے وحلان (خلاصۃ الکلام ص۲۲۹) نے انھیں ان کے والد سے "زیادہ متعصب" بتایا ہے، کتاب التوحید کی ایک شرح بھی لکھی تھی جو ابن بشر کے بیان کے مطابق نامکمل رہی[1]، اپنے والد شیخ احمد بن ناصر بن معمر (م ۱۲۲۵ھ) اور شیخ حسین بن غنام (م ۱۲۲۵ھ) سے تحصیل کی تھی، ۱۲۳۳ھ کے اواخر میں قتل کئے گئے، انکے قتل کا واقعہ بھی عجیب دردناک ہے، ملاحظہ ہو (دوسرا باب: ص) اس کے علاوہ ان کی ایک دوسری تالیف (کتاب التوضیح عن التوحید الخلاق فی جواب اہل العراق) مطبوعہ ۱۳۱۹ھ ہمارے پیش نظر ہے جو اُن کی وسعتِ علم کی شاہد ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶)

وحلان صرف عبدالرحمن کی جلاوطنی اور موت کا ذکر کرتا ہے، اس کے بیان کے مطابق عبدالرحمن ۱۲۳۳ھ میں گرفتار کرکے مصر بھیج دئے گئے تھے، ایک مدت تک زندہ رہے اور وہیں انتقال ہوا (خلاصہ ص۲۲۹) سنہ وفات مذکور نہیں"۔

ان بیانات سے عبداللہ بن شیخ الاسلام کی وفات یا شہادت کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا اوکلی نے غالباً پالگروو کے بیان پر اعتماد کیا ہے، لیکن خود پالگرو (ص۳۷۹) اولاً تو ضعیف سند (A slight in authority) کی بنیاد پر ذکر کرتا ہے، دوسرے اُسے عبداللہ بن شیخ الاسلام کے بیٹے عبدالرحمن اور عبدالرحمن بن حسن بن شیخ الاسلام میں امتیاز نہیں، تیسرے وہ یوں بھی ضعیف الروایۃ ہے (ملاحظہ ہو ماخذ اور لٹریچر) ابن بشر اور دوسرے بیانات سے اس خیال کی تقویت ہوتی ہے

[1] شیخ عبدالرحمن بن حسن بن شیخ الاسلام نے یہ شرح مکمل کی، جیسا کہ انہوں نے فتح المجید کے

بروکلمن[1] (ذیل ۲: ۵۳۲) نے ان کی دو کتابیں اور ذکر کی ہیں (۱) اوثق عری الایمان (ب) مسائل، جو راقم کی نظر سے نہیں گزری۔ مجموعۃ التوحید المکیہ (مطبوعہ ۱۳۴۳ھ) میں بھی شیخ سلیمان بن عبداللہ کا ایک رسالہ (بعض مسائل ہامہ کے جواب میں شامل ہے (ص ۳۶-۳۹) ممکن ہے بروکلمن کا درج کردہ رسالہ مسائل اور یہ دونوں ایک ہی ہوں علی بن عبداللہ بن الشیخ ۱۲۳۴ھ میں درعیہ کے قریب شہید ہوئے، حدیث و تفسیر میں اچھی دستگاہ تھی، (عنوان ج ا ص ۲۱۵) انہوں نے بھی کتاب التوحید کی ایک شرح لکھی تھی، (عنوان ۱: ۹۳) جو اسلم جیراجپوری (تاریخ نجد ص ۴۲) کے بیان[2] کے مطابق فتح المجید فی شرح کتاب التوحید کے نام سے چھپ چکی ہے (دہلی ۱۳۱۱ھ) عبداللہ بن شیخ الاسلام کے تیسرے بیٹے عبدالرحمن بن عبداللہ بھی مشہور عالم ہوئے حسین بن شیخ الاسلام کے متعدد مختصر رسالے اور فتوے (مشرقی کتاب خانہ، پٹنہ کے ایک مجموعے میں درج ہیں (دستی فہرست نمبر ۲۶۲۵)

علی بن شیخ الاسلام بھی ممتاز عالم اور زہد و ورع میں ضرب المثل تھے، فقہ و تفسیر میں اچھی دستگاہ تھی، اقضا کا منصب پیش کیا گیا لیکن انھوں نے غایت زہد و ورع

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷) دیباچہ (ص ش) جدید اڈیشن ۱۳۵۸ھ میں تصریح کی ہے۔

[1] بروکلمن (ذیل: ۲، ۵۳۲) شیخ الاسلام کے اخلاف اور شاگردوں میں: سلیمان بن عبدالوہاب، عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب، سلیمان بن عبداللہ بن محمد اور حسین بن غنام کا ذکر کیا ہے۔ لیکن کسی کا سال وفات درج نہیں کیا ہے۔

[2] غالباً اسلم صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ فتح المجید کے نام سے جو شرح مطبع انصاری دہلی (۱۳۱۱ھ) میں پہلی مرتبہ طبع ہوئی تھی وہ شیخ عبدالرحمن بن حسن بن شیخ الاسلام کی لکھی ہوئی ہے۔

کی بناء پر قبول نہ کیا، اِن کے لڑکے کمسنی ہی میں انتقال کر گئے، صرف محمد بن علی بن شیخ الاسلام پھلے پھُولے اور ممتاز عالم ہوئے۔

چوتھے بیٹے ابراہیم مشہور صاحبِ درس ہوئے ابن بشر نے اُن سے کم سنی میں (۱۲۲۴ھ) کتاب التوحید پڑھی تھی، قضاء سے الگ رہے، (عنوان: ۱، ۹۳)

شیخ کے ممتاز شاگردوں میں اُن کے پوتے عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ الاسلام بھی نجد کے چند ممتاز عالموں میں شمار کیے جاتے تھے، اُن کے والد شیخ کی زندگی ہی میں انتقال کر چکے تھے، کمسنی میں اپنے دادا سے کسبِ علم کیا، اور شیخ کے ممتاز شاگردوں احمد بن ناصر بن عثمان بن معمر (م ۱۲۲۵ھ) اور عبدالعزیز بن عبد اللہ الحصین الناصری (م ۱۲۳۷ھ) کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، شیخ عبدالرحمن بن حسن کی حیثیت اپنے خاندان میں علمی مجدد کی ہے، اُن کی علمی منزلت شروع سے مسلّم تھی، امیر سعود بن عبدالعزیز (م ۱۲۲۹ھ) اور امیر عبد اللہ بن سعود (مصلوب ۱۲۳۴ھ) کے عہد میں درعیہ کے قاضی رہے، شیخ حسین بن شیخ الاسلام کی وفات (۱۲۲۵ھ) کے بعد اس خاندان کے اُن چار[1] افراد میں یہ بھی تھے جن کی علمی حیثیت مسلم تھی، اور پایہ تخت (درعیہ) کے قضاء کا کام جن کے سپرد تھا۔

سقوط درعیہ کے وقت (۱۲۳۳ھ) مصر چلے گئے تھے بلکہ جلا وطن کر دیے گئے تھے، جب حالات استوار ہوئے، تو ۱۲۴۱ھ میں نجد واپس آئے، جہاں اُن کی ذات سے پھر ایک بار علم کی گرم بازاری ہوئی اور سینکڑوں اشخاص اُن کے

---

[1] اساطین اربعہ، جن کا ذکر اوپر آیا، اس ترتیب سے عزت و قدر کے مستحق سمجھے جاتے تھے: عبداللہ بن الشیخ، علی بن حسین بن الشیخ، عبدالرحمٰن بن حسن بن الشیخ، سلیمان بن عبداللہ بن الشیخ

درس میں شریک ہو کر کامیاب نکلے۔ خود شیخ الاسلام کے خاندان کے بیسیوں افراد اُن سے مستفیض ہوئے، (عنوان: ۲، ۲۲-۲۰) ترکی بن عبداللہ (مقتول ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۴ء) اور فیصل بن ترکی (م ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء) کے عہد میں قاضی القضاۃ اور خواص و عوام کا مرجع بنے رہے، ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود (مقتول ۱۲۴۹ھ) کی خاص مجلسوں مین درس کی خدمت انہی کے سپرد تھی' (عنوان: ۲، ۵۶) عام طور پر تفسیر ابن جریر کا درس ہوتا، فیصل بن ترکی (م ۱۲۸۲ھ) کے عہد مین بھی درس و ارشاد کی خدمت انہی کے سپرد تھی، سقوط درعیہ سے پہلے اساطینِ اربعہ کی دھوم تھی' حالات استوار ہونے کے بعد امیر ترکی بن عبداللہ کے عہد میں صرف عبدالرحمن بن حسن ابن الشیخ، اور علی بن حسین بن الشیخ رہ گئے۔ ترکی اور فیصل دونوں کے ایام حکومت مین، عبدالرحمن بن حسن اور علی بن حسین کے ساتھ ساتھ عبدالرحمن بن حسین بن الشیخ اور عبدالملک بن حسین کے نام بھی بار بار آتے ہین' (عنوان: ۲، ۳۲، ۶۵، ۸۰) لیکن فیصل بن ترکی کے آخر دور مین (۱۲۵۶ھ کے بعد) صرف عبدالرحمن بن حسن بن الشیخ کا نام خاص طور پر آتا ہے' اور پھر فیصل کے بالکل آخری دور مین ان کے صاحبزادے عبداللطیف ابن عبدالرحمن قضا اور تدریس پر فائز نظر آتے ہین' علی بن حسین بن الشیخ نے کافی عمر پائی' اور غالباً فیصل کے وسط عہدِ حکومت (تقریباً ۱۲۶۰ھ) مین رحلت کی، بہر حال فیصل بن ترکی کے آخری زمانہ حکومت مین یہ سب سے زیادہ محترم اور مخدوم تھے' بڑی عمر پائی' ابن بشر (۱۲۶۲ھ) نے

۱؎ علی بن حسین عبدالملک بن حسین کے سال وفات کا پتہ نہین چل سکا ہمارا قیاس ہے کہ ان دونون نے ۱۲۶۰ھ اور ۱۲۶۵ھ سے پہلے رحلت کی ورنہ ابن بشر حسبِ دستور ان مین سے کسی کا ضرور ذکر کرتا۔

اپنی کتاب ۱۲۰۶ھ مین لکھی، اور ۱۲۶۷ھ کے حوادث پر ختم کی ہے، اس وقت یہ زندہ تھے، پالگریو نے اپنی سیاحت کے دوران مین (۱۸۶۲ء / ۱۲۷۹ھ) ریاض مین ان سے اور ان کے صاحبزادے عبداللطیف سے ملاقات کی تھی (پالگریو کا سفرنامہ: ۱: ۳۷۹) لیکن اسے غلط فہمی یہ ہوئی کہ وہ انھین عبداللہ ابن الشیخ کا فرزند سمجھا، اور اسی سلسلہ مین عبداللہ بن الشیخ کے قتل کا واقعہ بھی اس نے ضعیف روایت کی بنا پر بیان کیا ہے) ۱۲۸۵ھ مین بڑی عمر پاکر وفات پائی،

ابن بشر (۲: ۲۲) نے ان کی متعدد تالیفات اور رسالون کا ذکر کیا ہے،

سلیمان بن عبداللہ ابن الشیخ (مقتول ۱۲۳۳ھ) کی غیر مکمل شرح کتاب التوحید کی تکمیل بھی ان کے قلم سے ہوئی تھی، جو فتح المجید فی شرح کتاب التوحید کے نام سے بار بار چھپ چکی ہے، پہلا اڈیشن مطبع انصاری دہلی (۱۳۱۱ھ) مین چھپا تھا، دوسرا اڈیشن مطبع سلفیہ مصر مین (۱۳۴۷ھ) عبدالرحمن قصیبی کے خرچ سے چھپا، اور مفت تقسیم ہوا، اب اس کا تازہ اڈیشن نہایت اہتمام وصحت کے ساتھ عمدہ کاغذ پر مصر مین چھپا ہے، ناشر نے مفید حواشی بھی بڑھائے ہین،

فتح المجید کے علاوہ ان کی دوسری کتاب (قرۃ عین الموحدین فی تحقیق دعوۃ الانبیاء والمرسلین) بھی چھپ گئی ہے (مطبع المنار مصر: ۱۳۴۶ھ) یہ اصل مین کتاب التوحید ہی کے حواشی ہین، محمد حامد الفقی (جنھون نے فتح المجید کا تازہ اڈیشن شائع کیا ہے) نے فتح المجید کے حواشی مین قرۃ عین الموحدین کے اقتباسات بکثرت دیے ہین، ان کا ایک مختصر رسالہ عنوان المجد مین منقول ہے (۲: ۲۶-۲۳) ابن بشر نے ان کے متعدد خطوط کے اقتباسات بھی دیئے

ہین (رسالہ عنوان المجد) مجموعۃ التوحید المکیہ (۱۳۴۳ھ) ہیں بھی ان کے حسب ذیل تین رسالے شامل ہین:۔

(۱) رسالۃ فی جواب الجہمیہ (ص ۳۲-۳۶)

(۲) رسالۃ فی حکم موالاۃ اہل الاشراک صفحہ (ص ۱۶۹-۱۵۷)

(۳) بیان المحجۃ فی الرد علی صاحب اللجۃ صفحہ (۲۵۲-۲۰۵)

ان کے صاحبزادون مین محمد بن عبدالرحمٰن بن حسن سقوطِ درعیہ کے وقت (۱۲۳۳ھ) اپنے دوسرے اہلِ خاندان کی طرح قتل کیئے گیے (عنوان: ۱؍۲۰۸) عبداللطیف بن عبدالرحمٰن ان کے جانشین ہوئے، یہ صغر سنی ہی مین سقوطِ درعیہ کے وقت مصر چلے گئے تھے، اپنے والد اور دوسرے اہلِ علم سے تحصیل کی ۱۲۶۴ھ مین نجد واپس آئے اور اپنے ساتھ کتابوں کا بڑا ذخیرہ لائے آتے ہی اپنے والد کے دست راست کا کام دینے لگے، ۱۲۶۲ھ تک فیصل بن ترکی (م ۱۲۸۲ھ) کی مجلسوں مین عبدالرحمٰن بن حسن مدرس اور واعظ کی حیثیت سے نظر آتے ہین، (عنوان: ۲؍۱۲۲) ۱۲۶۵ھ مین عبداللطیف بن عبدالرحمٰن قاضی، امام، مدرس، ہر حیثیت سے آگے آگے دکھائی دیتے ہین، ابن بشر ان کے درس تفسیر کا بہت مداح ہے (۲؍۱۲۱) پالگریو نے ۱۸۶۲ء/۱۲۷۹ھ مین ان سے ملاقات کی تھی، اُس وقت ان کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہوگی، پایہ تخت ریاض کے قاضی تھے، (پالگریو، ۱؍۳۷۹) ان کی کتاب "منہاج التقدیس والتاسیس فی رد علی المبطل داؤد بن سلیمان بن جرجیس" کا ذکر آگے آئے گا، ان کا ایک مختصر رسالہ مجموعۃ الہدیۃ السنیۃ (صفحہ ۲۸-۴۰) کے ضمن مین بھی طبع ہو چکا ہے،

اس میں شیخ الاسلام کی مختصر سیرت بیان کی گئی ہے، سال وفات تحقیق کے ساتھ معلوم نہ ہو سکا۔ ایک نجدی عالم[۵] اور سیاح کے بیان کے مطابق انھوں نے ۱۳۰۷ھ میں رحلت کی۔

شیخ عبدالرحمن بن حسن کے ایک دوسرے صاحبزادے اسحٰق بن عبدالرحمن بن حسن کا ذکر اب تک کسی تذکرہ میں نہیں ملا، لیکن ہمیں ان سے واقفیت عجیب دلچسپ طریقہ پر ہوئی، ستہ شوال (۵۹ھ) میں وطن جانا ہوا، (اوگانواں ضلع پٹنہ) اور اپنے خاندانی کتاب خانہ کی خستہ حال کتابوں کا جائزہ لینے لگا، تو صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان کا ایک نسخہ ملا، جس کے پہلے ورق پر یہ عبارت خالص عربی خط میں لکھی ملی، "فی ملك الحقیر الفقیر اسحٰق بن عبدالرحمن بن حسن بن محمد النجدی الحسینی عفی اللہ عنہم"

میری خوشی کا کیا کہنا! الٹنے پلٹنے پر آخر میں اسی خط میں ایک لمبا نوٹ ملا، جس سے ان کے علم کا بھی پتہ چلتا ہے، درمیان میں بھی ایک مختصر سا نوٹ ہے، شروع میں نام کے نیچے مہر بھی ہے، صرف اسحاق کا لفظ صاف طور پر پڑھا جاتا ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کتاب ہمارے ہاں کس طرح پہونچی، قرین قیاس یہ ہے، کہ عاجز کے نانا مولٰنا عبدالصمد (م ۱۳۱۸ھ) سے ان کے تعلقات ہوں گے، مولانا عبدالصمد ایک جید اہلِ حدیث عالم تھے، اور وقت کے مشہور اہلِ حدیث عالموں سے ان کے تعلقات دوستانہ اور برابری کے تھے، تفتیش سے پتہ چلا کہ یہ اسحٰق بن عبدالرحمن بن حسن ہندوستان میں رہے تھے اور مولانا سید نذیر حسین صاحب

۵؎ شیخ عمران بن محمد بن عمران، ساکن ریاض (نجد)۔

سورج گڈھی مونگیری دہلوی، نواب صدیق حسن خاں صاحب اور مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانی سے استفادہ بھی کیا تھا۔ ۱۳۳۰ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔ ان کے صاحبزادے عبدالرحمن بن اسحاق اس وقت ریاض مین بقید حیات ہین، کوئی ساٹھ سال کی عمر ہوگی (بہ روایت شیخ محمد عمران نجدی)

موجودہ عہد مین، اس خاندان کے عالمون مین محمد بن عبداللطیف بن عبدالرحمن سب سے زیادہ ممتاز ہیں ان کا ایک رسالہ (مولفہ ۱۳۴۹ھ) الدرر السنیۃ کے مجموعہ مین شامل ہے، ان کی عمر اس وقت اسّی کے قریب ہوگی (روایت شیخ عمران بن محمد) (ص ۹۱-۹۹) محمد حامد الفقی نے فتح المجید کے دیباچہ میں اس خاندان کے دو معاصر عالمون عبداللہ بن حسن[1] آل الشیخ (رئیس قضاۃ مملکۃ سعودیہ) اور محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف کے نام لئے ہین،

---

[1] عبداللہ بن حسن بن حسین بن علی بن محمد بن عبدالوہاب (روایت شیخ عمران۔)

دوسرا باب

(۲)

سیاسی برتری

شیخ کی زندگی مین اور ان کی وفات کے بعد نجد اور اطراف نجد مین جو خوشگوار تبدیلیان ہوئین، وہ سب ثمرہ تھین شیخ الاسلام کی "دعوت" اور ان کے اخلاص کا۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ نے اہل نجد کی زندگی، عقائد اور اخلاق مین ایک غیر معمولی انقلاب نہین بلکہ کایا پلٹ کر دی۔ خوش قسمتی سے انھیں محمد بن سعود (م ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۵ء) عبد العزیز بن محمد بن سعود (۱۱۷۹ھ/۱۷۶۵ء - ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء) اور سعود بن عبد العزیز (۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء - ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء) جیسے اولو العزم مجاہد اور فرمان روا ملے جنھوں نے شیخ کے مشن کی تکمیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

شیخ کی دعوت کے ساتھ ساتھ آل سعود کا نام بھی وابستہ ہو گیا ہے اس لئے ہم مختصر طور پر آل سعود کی تاریخ کے ان اہم حصوں کو پیش کر دینا چاہتے ہین جن کا اس تحریک سے خاص اور بلا واسطہ تعلق ہے۔

محمد بن سعود [لہ] امیر محمد بن سعود (م ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۵ء) نے دعوت کے پھوٹتے پھلتے ہی حرمین کو ایک وفد بھیجا جس نے شریف مسعود بن سعید (۱۱۴۶ھ/۱۷۳۳ - ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲) سے

لہ نجد کی سیاسی تاریخ ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہے۔ ہم صرف ان گوشوں کو اُجاگر

حج کی عام اجازت طلب کی اور علمائے حرمین سے مختلف فیہ مسائل پر گفتگو کی۔ "مفتیان حرم" کا رویہ افسوس ناک رہا اور وفد کے ارکین گرفتار کر لئے گئے بعضوں نے مشکل سے اپنی جان چھڑائی (دحلان: الدرر السنیۃ ص ۴۴)۔

امتناع حج | یہ دحلان کا بیان ہے، جس کی دونوں کتابوں (خلاصۃ الکلام فی امراء البد الحرام، اور الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیہ) میں نہ تاریخیں صحیح درج ہیں، نہ واقعات کی تدوین میں دیانت داری سے کام لیا گیا ہے۔ دحلان نے سال کی تعیین بھی نہیں کی، بہرحال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے پہلے اہل نجد کے خلاف امتناع حج کے احکام صادر ہو چکے تھے۔ ابن بشر (۱، ۲۳) ۱۱۶۲ھ کے تحت میں صرف اس قدر ذکر کرتا ہے:۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کر رہے ہیں، جن کا شیخ کی سرگرمیوں سے خاص تعلق تھا، نجد اور آل سعود کی تفصیلی تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(۱) عنوان المجد (ابن بشر)

(۲) عجائب الآثار (جبرتی) جلد ۳ و ۴،

(۳) تاریخ نجد (آلوسی) صفحہ ۱۰۴-۹۰،

(۴) حاضر العالم الاسلامی، جلد ۴ صفحہ ۱۶۲-۱۶۱ (امیر شکیب ارسلان)

(۵) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (مقالہ: ابن سعود)

(۶) Arabia, (از فلبی) جو بہت مفصل اور کافی سے زیادہ ہے۔

امین ریحانی کی کتابیں عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں مشہور اور مقبول ہیں، مگر افسوس کہ اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں۔ ماخذ کے سلسلے میں ان کے علاوہ اور دوسری کتابوں کا ذکر آئے گا۔

"۱۱۶۲ھ میں مسعود بن سعید شریف مکہ نے نجدی حاجیوں کو قید
کر لیا اور ان میں سے کچھ مر گئے۔"

شیخ الاسلام کی دعوت کا ظہور ۱۱۵۷ھ کے بعد ہوا اور شہرت و مقبولیت ۱۱۶۰ھ کے بعد شروع ہوئی اس لئے یہ قرین قیاس نہیں کہ ۱۱۶۲ھ سے پہلے نجد کے حجاج بیت الحرام کی زیارت سے روکے گئے ہوں یہ قرائن بتاتے ہیں کہ حاجیوں کی گرفتاری کے اسی واقعہ سے امتناع حج کا آغاز ہوا (۱۱۶۲ھ) اور درمیانی وقفوں کے ساتھ یہ پابندی اہل نجد پر برابر عائد رہی ۱۱۸۳ھ، ۱۱۸۵ھ، ۱۱۹۷ھ میں خاص طور پر اجازت ملی اور نجد کے عالم و عامی بڑی تعداد میں زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوئے لیکن یہ "اجازتیں" اتفاقی تھیں سعود بن عبد العزیز کے حرم میں فاتحانہ داخلہ (۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء) سے پہلے اہل نجد کو کبھی بلا روک ٹوک حج و زیارت کا موقع نہ ملا۔ تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:-

(الف) امیر محمد بن سعود کی وفات عین دعوت کے

عبد العزیز بن محمد بن سعود[1]

۱؎ بعض لکھنے والے عبد العزیز بن محمد بن سعود کو شیخ الاسلام کا نواسہ بتاتے ہیں (مولوی عبد المقتدر: فہرست مشروح خدا بخش لائبریری جلد ۱۲، ۱۳۳۷ء؛ قلمی: ص ۴۲-۴۱؛ ڈکشنری آف اسلام: ص ۶۶۰؛) لیکن یہ صحیح نہیں عام طور پر مؤرخ لکھتے ہیں کہ امیر محمد بن سعود سے شیخ کی ایک صاحبزادی منسوب تھیں لیکن شیخ الاسلام کی درعیہ میں اقامت ۱۱۵۷ھ میں ہوئی ہے اور یہ شادی اس کے بعد ہی ہوئی ہوگی دوسری طرف ہمیں موثق ذرائع سے یہ معلوم ہے کہ امیر عبد العزیز ۱۱۶۰ھ میں سن شعور کو

شباب میں ہوئی،[۱] ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۵ء عبدالعزیز بن محمد بن سعود جانشین ہوا۔ مارگولیوتھ کے بیان کے مطابق ۱۱۸۰ھ/۱۷۶۶ء میں ایک وفد مکہ گیا، جہاں اُن کی خاطر مدارات ہوئی۔

بقیہ سلسلہ صفحہ گزشتہ :۔ پہنچ چکے تھے اور شوکانی (البدر الطالع : ۱، ۲۶۳) کے بیان کے مطابق سعود بن عبدالعزیز کی ولادت ۱۱۶۱ھ یا ۱۱۶۳ھ میں ہو چکی تھی، اس لئے شیخ الاسلام اور امیر ابن سعود کے رشتہ مصاہرت کو مان بھی لیا جائے (ابن غنام اور ابن بشر دونوں میں سے کسی نے اس رشتہ کا ذکر نہیں کیا ہے) تو عبدالعزیز بن محمد بن سعود شیخ کے نواسے نہیں ہو سکتے۔ مزید برآں فلبی (۴۸) امیر عبدالعزیز کا سال ولادت متعین طور پر ۱۷۲۱ء (۱۱۳۲ھ یا ۱۱۳۵ھ) بتاتا ہے امیر شکیب بھی (حاضر : ۴ ص ۱۶۳) شہادت کے وقت (۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء) اس کی عمر ۸۲ سال بتاتے ہیں، ان دونوں روایتوں سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ امیر عبدالعزیز شیخ الاسلام کے نواسے نہیں ہو سکتے ۱۱۳۲ھ میں شیخ کی عمر صرف انیس سال کی ہوتی ہے اس کے بالکل برعکس BRYDGES لکھتا ہے کہ خود عبدالوہاب (؟ ابن عبدالوہاب) نے محمد بن سعود کی لڑکی سے شادی کی تھی (ص۱) نیز وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ عبدالعزیز بن محمد بن سعود نے عبدالوہاب (؟ ابن) کی لڑکی سے شادی کی جس سے سعود ابن عبدالعزیز پیدا ہوا۔ پتہ نہیں صحیح کیا ہے ؟ حاشیہ ص۱۰

[۱] مارگولیوتھ نے سال وفات ۱۱۸۰ھ لکھا ہے جو صحیح نہیں امیر محمد بن سعود کی وفات ربیع الاول ۱۱۷۹ھ میں ہوئی (روضۃ الافکار ج ۲، ۸۵) (عنوان : ۱، ۴۹) زرکلی (۲ : ۵۲۹) نے عبدالعزیز کے تخت نشین ہونے کی تاریخ ۱۱۸۰ھ دی ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔

شریف نے میزبانی کی اور وفد نے علماء کو یقین دلایا کہ ان کے عقائد ابن حنبل سے الگ نہیں۔"

یہ مارگولیوتھ کا بیان ہے ابن غنام، ابن بشر اور فلبی ۱۷۹۵ھ/۱۱۷۹ھ میں کسی وفد کا ذکر نہیں کرتے۔ پتہ نہیں، اس کا ماخذ کیا ہے، ابن غنام اور ابن بشر کے سکوت کے بعد مارگولیوتھ کے بیان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ احمد زینی دحلان (الدرر السنیۃ ص ۴۴) کے بیانات بھی اس سلسلہ میں حد درجہ متعارض اور ناقابل وثوق ہیں۔

۱۱۸۳ھ/۱۷۶۹ء امتناع کے بعد پہلا حج

۱۱۸۳ھ/۱۷۶۹ء میں اشراف حجاز کے ایک دستہ سے کہیں موحدین کی مڈبھیڑ ہو گئی، شریف منصور دستہ کا سردار گرفتار ہوا، امیر عبدالعزیز نے اسے بلافدیہ کے رہا کر دیا، جس کا اچھا اثر پڑا اور بدلہ میں شریف[۱] مکہ نے حج کی اجازت دی اور موحدین کی ایک کافی تعداد نے اس سے فائدہ اٹھایا۔

---

[۱] انگریز اور یورپی مورخ مکہ کے حاکم کو Grand Sharif. اور خاندان کے دوسرے افراد کو صرف 'شریف' کہتے ہیں۔ عرب یہ فرق ملحوظ نہیں رکھتے، اشراف کی تاریخ کے لئے دحلان کی کتاب خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام ملاحظہ کی جا سکتی ہے گو زیادہ قابل اعتماد نہیں۔

محمد لبیب البتنونی کی الرحلۃ الحجازیۃ (ص ۷۳-۸۱) میں بھی اشراف مکہ کی مختصر تاریخ دی گئی ہے Bruckhart, کی Travels in Arabia, (۱/۴۴-۵۰۶) میں بھی "مکہ کی حکومت" پر ایک پر از معلومات باب ہے، ہوگارتھ کی

"... فاغتنم لذلك من المسلمين طائفة وسارت للحج آمنة"

(روضۃ الافکار ج ۲ ص۹۱) یہ اجازت بہرحال اسی سال تک محدود رہی البتہ اس سے آئندہ گفت وشنید اور بحث وتمحیص کا دروازہ کھل گیا۔

پہلا نجدی وفد: ۱۱۸۵ھ / ۱۷۷۱ء

۱۱۸۵ھ / ۱۷۷۱ء میں شیخ اور عبدالعزیز نے احمد بن سعید (۱۱۸۴ھ - ۱۱۸۶ھ) والی مکہ کو ہدیے بھیجے اس نے خط وکتابت کے ذریعہ ان (شیخ اور امیر عبدالعزیز) سے ایک فقیہ عالم کی درخواست کی تھی، جس سے علمار مکہ ان کی دعوت اور مشرب پر گفتگو کر سکیں، تو شیخ اور عبدالعزیز نے شیخ عبدالعزیز بن الحصین کو ایک خط دے کر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا . . . .

جن علماء (مکہ) نے ان سے گفتگو کی ان کے نام یہ ہیں یحییٰ بن صالح الحنفی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- A History of Arabia, (ص۹۳-۸۲) میں بھی "اشراف مکہ" پر ایک باب ہے۔ ہماری تحریک کا تعلق جن اشراف سے رہا ان کے نام اور سنین تولیت یہ ہیں:

(۱) مسعود بن سعید (۱۱۴۶ھ) (۲) مساعد بن سعید (۱۱۶۵ھ) (۳) جعفر بن سعید (۱۱۷۲ھ) (۴) مساعد بن سعید (۱۱۷۳ھ) (۵) عبداللہ بن سعید (۱۱۸۴ھ) (۶) احمد بن سعید (۱۱۸۴ھ) (۷) عبداللہ بن حسن (۱۱۸۴ھ) (۸) احمد بن سعید (۱۱۸۴ھ) (۹) سرور بن مساعد (۱۱۸۶ھ) (۱۰) عبدالمعین بن مساعد (۱۲۰۲ھ) (۱۱) غالب بن مساعد ۱۲۵ (۱۲) یحییٰ بن سرور (۱۲۲۸ھ) الخ - الی (۱۲۰۲ھ)۔

عبدالوہاب بن حسن الترکی (سلطان کے مقرر کردہ مفتی) اور عبدالغنی بن ہلال
تین مسئلوں (تکفیر[1]، ہدم قباب[2]، بزرگوں سے مرادیں مانگنا[3]) پر د ۱۱
شیخ عبدالعزیز کی دلیلوں سے مطمئن ہو گئے، اور شیخ عبدالعزیز اعزاز و
توقیر کے ساتھ واپس کئے گئے[1] (روضۃ الافکار: ۲، ۹۱-۹۲ ملخص)

ابن بشر (۱، ۵۹) نے اس وفد کا صرف سرسری تذکرہ کیا ہے، نجلبی (ص ۲۳-۲۴) نے اس وفد کا تفصیلی ذکر کیا ہے، اس کا ماخذ غالباً ابن غنام کی روضۃ الافکار رہی ہے، لیکن اس نے ۱۱۸۳ھ/۱۷۶۹ء کے حج اور ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء کے وفد کو خلط ملط کر دیا ہے۔ حالانکہ ابن غنام نے دونوں واقعے الگ الگ ذکر کئے ہیں۔

وفد کے سرگروہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن الحصین، شیخ الاسلام کے مخصوص شاگردوں میں تھے، شیخ کو خود ان پر بڑا اعتماد تھا، شیخ نے اپنی زندگی میں انھیں دو بار رئیس وفد بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا، شیخ کے بعد امیر عبدالعزیز (م ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء) سعود بن عبدالعزیز (م ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء) اور عبداللہ بن سعود (مصلوب ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۹ء) تینوں کے عہد حکومت میں منصب قضا پر فائز رہے سقوط درعیہ کے

---

[1] محمد حامد فقی (ص ۵۶) نے یہ بھی لکھا ہے کہ:-

"شیخ عبدالعزیز بن حصین کا اثر دیکھ کر شریف احمد بن سعید کے اقارب اس سے بگڑ گئے، اور سبھوں نے مل کر اسے امارت سے الگ کر دیا غالباً علماء سو کا اس میں ہاتھ رہا ہو گا۔"

پتہ نہیں، ان کا ماخذ کیا ہے؟ افسوس کہ فقی حوالہ بالکل نہیں دیتے۔

وقت (۱۲۳۳ھ) جب کہ یہ بہت ضعیف ہو چکے تھے، ابراہیم پاشا نے انھیں بلا بھیجا اور نہایت سخت کلامی سے پیش آیا، غنیمت ہے کہ اوروں کی طرح انھیں پھانسی نہیں دی گئی (عنوان: ۱/۱۹۱) ۱۲ رجب ۱۲۳۷ھ (۴ اپریل ۱۸۲۲ء) کو وفات پائی۔ مزید حالات اور شاگردوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (عنوان المجد: ۱/۹۴، ۱۹۱، ۲۳۲، ۲۳۳)

قحط سالی اور حج کی عام اجازت ۱۱۹۷ھ ۱۷۸۵ء

"۱۱۹۷ھ میں عبدالعزیز (حرسہ اللہ تعالی) نے سرور والی مکہ مشرفہ کو گھوڑے، سواریاں اور مختلف چیزیں ہدیہ بھیجیں، اس تمام تعظیم و تکریم اور ہدایا سے اصل غرض، اہل دین و اسلام (یعنی اہل نجد، اتباع شیخ الاسلام مدظلہ العالی) کے لئے ادائے فرض (التزام الرکن الخامس) کی عام اجازت حاصل کرنا تھی، جس سے وہ سالہا سال سے روک دیئے گئے تھے، اور جس کی بجا آوری کے لئے ان کے دل تڑپ رہے تھے۔ . . . تو اس سال سبھوں نے حج کیا، کوئی تین سو آدمی ہوں گے" (روضتہ الافکار: ۲/۱۳۴)

ابن بشر نے اس کا بالکل ذکر نہیں کیا، فلبی نے "اجازت" اور اس کے اسباب و نتائج پر مفصل گفتگو کی ہے، ۱۱۹۷ھ ۱۷۸۵ء کی قحط سالی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تاہم (یعنی امیر عبدالعزیز کی تمام کوششوں کے باوجود) اس قحط سالی سے جو دو سال تک رہی، پورے عرب کو کافی نقصان پہنچا: قابل لحاظ بات یہ ہے کہ

جب شریف اعظم سرور نے وہابی حاکم کو اس پابندی کے اٹھائے جانے کی اطلاع دی[1] جو ان کے آزادانہ حج پر چند سال پہلے عائد کردی گئی تھی، تو قحط سالی کے سبب سے صرف تین سو آدمی فائدہ اٹھا سکے۔

وہابیوں کو حج کی دوبارہ اجازت اس وقت کے عرب کی تاریخ میں خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ سرور، عملاً قسطنطنیہ کے برائے نام (TITULAR) خلیفہ کے اقتدار سے بالکل آزاد ہو چکا تھا، اور اب اس نے عسیر اور نجد کے حدود کی طرف تاخت شروع کر دی تھی، وہابیوں کے خلاف امتناع حج کا حکم بھی اس نے اپنی برتری منوانے کا ایک ذریعہ بنانا چاہا تھا، لیکن وہابیوں نے اسکی برتری تسلیم نہیں کی، اور امتناع حج کا بدلا انھوں نے یہ لیا کہ عراق و فارس کے حاجیوں کے قافلے جو وہابی علاقے سے گزرتے تھے نجدی دستوں کی چھیڑ چھاڑ کا شکار ہونے لگے، یہ شریف سرور کی طاقت سے باہر تھا کہ ان قافلوں کی حفاظت کا ذمہ لے سکے، نتیجہ

---

[1] فلبی (ص ۳۰) کے بیان سے ایسا ترشح ہوتا ہے کہ شریف سرور (۱۱۸۶ھ - ۱۲۰۲ھ) نے از خود اجازت دی تھی، حالانکہ ابن غنام کے مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر عبدالعزیز کی سلسلہ جنبانی پر یہ اجازت ملی تھی:۔ "و قصدہ بذل التشریف والاکرام واهدائه ..... الرخصة لاهل الدين والاسلام فی اداء واجب الافتراض ....." الخ

یہ ہوا کہ بغداد کے ترکی پاشا نے قافلوں کی روانگی روک دی' اس لئے کہ فارس کی حکومت صحرا کی تکلیفوں کا الزام پاشائے بغداد ہی پر ڈالتی تھی۔ اُن دنوں حجاز کا سارا دارومدار انھیں قافلوں پر تھا' جو خشکی کے ذریعہ حج کو آتے تھے۔ مکہ اور مدینہ کے تاجروں نے تنگ آکر شریف کو نجدی حکومت سے تعلقات استوار کرنے پر مجبور کیا۔ سرور کے لئے جھکنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ اور گھوڑوں اور اونٹوں کا تحفہ جو وہابی حاکم نے قحط سالی کے سال شریف کو بھیجا' اس سے دونوں حکومتوں کے تعلقات کی شگفتگی سب لوگوں پر ظاہر ہو گئی۔۔۔۔۔ الخ

لیکن یہ اجازت بھی عارضی ثابت ہوئی[ا] (ص ۳۸' ۳۹' ملخص)

دوسرا نجدی وفد: ۱۲۰۴ھ ۱۷۹۰ء — شریف سرور کا انتقال ۱۲۰۲ھ میں ہوا' عبدالمعین بن مساعد والی ہوا' پھر غالب بن مساعد امیر مقرر ہوا' یہی شریف غالب ہے' جس کے عہد میں اہل نجد اور حجازیوں اور مصریوں کے درمیان معرکہ آرائیاں

[ا] Mordtmann. (مقالہ ابن سعود: انس۔ اسلام) کے بیان کے مطابق سرور کی دی ہوئی اجازت غالب نے ۱۲۰۲ھ میں چھین لی۔

عام طور پر مورخ لکھتے ہیں کہ اجازتیں عارضی رہیں' اور اہل نجد پر حج کے سلسلہ میں امتناعی احکام جاری رہے' تا آنکہ ۱۲۰۵ھ سے باضابطہ جنگ شروع ہو گئی۔

(الرحلۃ الحجازیۃ ص ۸۸)

ہوئیں' مورخوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کشمکش سے بچنا چاہتا تھا' لیکن علماء نے صلح نہ ہونے دی۔

واقعہ کچھ بھی ہو' شریف غالب (۱۲۰۲ھ - ۱۲۳۸ھ) کی معاملہ فہمی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے زمام حکومت ہاتھ میں لینے کے کچھ ہی بعد (دو برس بعد) امیر عبدالعزیز سے ایک ایسے عالم کی فرمائش کی جو شیخ الاسلام کی دعوت پر گفتگو کر سکے' امیر عبدالعزیز نے خوشی خوشی دعوت قبول کی اور شیخ عبدالعزیز بن الحصین کو (جو پہلے وفد کے رئیس بنا کر بھیجے گئے تھے: ۱۱۸۵ھ ۱۷۷۱ء) اس خدمت پر مامور کیا' خود شیخ الاسلام نے اپنے دست خاص سے لکھ کر ایک خط دیا' جس میں پہلے وفد کے حوالے کے ساتھ' وہ دلیلیں تفصیل سے بیان کی گئیں' جن سے اس وقت علمائے مکہ مطمئن ہو گئے تھے۔ غالب نے شیخ عبدالعزیز الحصین کا پرتپاک خیر مقدم کیا' دیر تک گفتگو کی اور ان کے دلائل کی اہمیت اور سچائی تسلیم کی' لیکن مقامی علماء کے بہکانے سے وہ اپنے خیال سے پھر گیا' فقیہان حرم نے اسے یہ سوجھایا کہ "تم نے ابن سعود کی اطاعت قبول کی' تو تمہاری امارت پر ابن سعود کا قبضہ ہو جائے گا۔" بات لگتی ہوئی تھی' غالب کے دل سے لگ گئی اور نجدی اقتدار کے ہوّے نے اسے قبول حق سے باز رکھا' جس کا خمیازہ تمام دنیائے اسلام کو بھگتنا پڑا۔ شیخ عبدالعزیز نے اصرار بھی کیا کہ مقامی علماء کی ایک مجلس ترتیب دی جائے اور مختلف فیہ مسئلوں پر کھل کر گفتگو کی جائے۔ لیکن مقامی علماء اس پر راضی نہ ہوئے اور انھوں نے صاف صاف اعلان کیا:-

"ان وہابیوں کے ساتھ کوئی گفت و شنید بے کار ہے' کہ ان کے عقائد

ہمارے اسلاف کے عقائد کے بالکل برعکس ہیں۔"

اگر فقیہان حرم کا رویہ ناعاقبت اندیشانہ نہ ہوتا، اور شریف غالب اور امیر عبدالعزیز کے درمیان مفاہمت ہو جاتی، تو مسلمانوں کا کتنا قیمتی خون ضائع ہونے سے بچ جاتا؟ (روضۃ الافکار: ۲: ۱۶۲-۱۶۳، قلمی منۃ الزہراء: رجب ۱۳۴۵ھ)

تعجب ہے کہ ابن بشر نے اس قدر اہم واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔

تیسرا نجدی وفد: ۱۲۱۱ھ ۱۷۹۷ء

دوسرے وفد کی ناکامی کے بعد طرفین میں چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔ ۱۲۰۵ھ ۱۷۹۱ء میں خود غالب نے پہل کی، یہ سلسلہ عرصہ تک جاری رہا، درمیان میں صلح بھی ہوتی رہی، اس اثناء میں نجدی فوجیں جزیرۃ العرب کے باقی علاقوں میں اپنا اثر و نفوذ بڑھاتی رہیں۔ تا آنکہ ۱۲۱۱ھ میں انھوں نے احساء کے پاس جزیرہ عمائر پر حملہ کیا اور کامیاب لوٹے (عنوان: ۱: ۱۰۰) نجدی طاقت کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر شریف غالب نے ایک مرتبہ پھر سلسلہ جنبانی کی، امیر عبدالعزیز کو ایک خط بھیجا اور ایک ایسے نجدی عالم کے بھیجنے کی درخواست کی جو موحدین کا مسلک اہل مکہ کے سامنے پیش کر سکے، پہلے دونوں وفد (۱۱۸۵ھ، ۱۲۰۴ھ) شیخ الاسلام کی زندگی میں اور ان کی ہدایتوں کا توشہ ساتھ لے کر گئے تھے، تیسرے وفد کا مطالبہ ان کے انتقال (۱۲۰۶ھ) کے بعد ہوا تاہم امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود نے فوراً دعوت قبول کر لی۔ اس لئے کہ اسے تبلیغ سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں تھی۔ شیخ الاسلام کے ایک ممتاز شاگرد شیخ احمد بن ناصر بن عثمان بن معمر خدمت پر مامور ہوئے، احمد بن ناصر اور ان کے ساتھی پہلے طواف سے فارغ ہوئے، اس کے بعد امیر عبدالعزیز کے

تحفے شریف کی خدمت میں پیش کیے ان کا استقبال نہایت دوستانہ ہوا اور مسلسل کئی دنوں تک مقامی علماء سے گفتگو ہوتی رہی آخر میں شیخ احمد بن ناصر کی خدمت میں کچھ سوالات پیش ہوئے اور تحریری جواب کا مطالبہ کیا گیا شیخ احمد بن ناصر نے مفصل اور مدلل تحریری جواب دیا جو ایک رسالہ کی صورت میں الفواکہ العذاب فی الرد علی من لم یحکم السنۃ والکتاب کے نام سے چھپ گیا ہے (مجموعۃ الحدیۃ السنیۃ ص ۵۵-۹۰ رسالہ میں خاص طور پر دو مسئلوں سے بحث کی گئی ہے:

(۱) شفاعت اور استغاثہ

(۲) تارکین صلاۃ کی تکفیر اور ان سے قتال

(آگے چل کر ان مسئلوں پر تفصیلی گفتگو ہوگی اس لئے یہاں اس رسالہ کے 'موضوع بحث' کو چھیڑنا مناسب نہیں)۔

یہ مناظرہ رجب ۱۲۱۱ھ میں غالب کے سامنے بھری مجلس میں ہوا تھا' ابن غنام (حوادث ۱۲۱۱ھ) نے اس مناظرہ کی روداد قلمبند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"وہ (علمائے مکہ مکرمہ) شیخ احمد بن ناصر کے دلیلوں کی قوت تسلیم کرنے کے باوجود قبول حق پر آمادہ نہ ہوئے:-

"انہم اعترفوا استقامۃ حجۃ وصدقوا الدجحدوا الخ"

ابن غنام نے پورا رسالہ بھی نقل کر دیا ہے (روضۃ الافکار: ۲' ۲۲۶-۲۶۱) فلبی (ص ۷۲-۷۱) نے بھی اس وفد اور مناظرہ کی پوری روداد درج کی ہے

تعجب ہے کہ ابن بشر نے اس وفد کا بھی مطلق ذکر نہیں کیا۔

وفد کے رئیس شیخ احمد بن ناصر بن معمر کے متعلق بھی دو حرف لکھنا نامناسب نہ ہوگا۔ پہلے اور دوسرے وفد کے رئیس شیخ عبدالعزیز الحصین (م ۱۲۳۷ھ) کی طرح یہ بھی شیخ الاسلام کی شاگردی کا شرف رکھتے تھے۔ شیخ الاسلام کے علاوہ ان کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب (م ۱۲۰۸ھ) اور ان کے شاگرد و سیرت نگار ابن غنام (م ۱۲۲۵ھ) سے بھی مستفید ہوئے تھے۔ درعیہ میں عرصہ تک قضا پر مامور رہے، امیر سعود بن عبدالعزیز (۱۲۱۸-۱۲۲۹) نے انھیں درس و افتاء کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا تھا اور وہیں وفات پائی (وسط ذی الحجہ ۱۲۲۵ھ آغاز جنوری ۱۸۱۱ء، عنوان: ۱/۱۵۲)

جنگ کے بعد صلح: ۱۲۱۳ھ
اب نجدی وہابیوں کی کامیابیاں اتنی بڑھیں کہ باب عالی[1] کو بھی فکر دامنگیر ہوئی، سلیمان پاشا، والی بغداد کے ذمہ یہ مہم کی گئی، سلیمان نے ثوینی (۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۷ء) اور علی پاشا (۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۹ء) کی سرکردگی

---

[1] ۱۲۱۲ھ میں غالب نے خاص طور پر دولت علیہ کو وہابیوں کی "سرکوبی" کی طرف توجہ دلائی، لیکن دولت علیہ نے کسی سرگرمی کا اظہار نہیں کیا (خلاصۃ الکلام: ص ۲۶۶)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس سے پہلے سلیمان پاشا، بغداد کا حاکم، اہل نجد کے مقابلہ میں فوج کشی کرتا ہوا نظر آتا ہے، اور اس کے بعد ۱۲۱۳ھ میں تو خود دحلان کے بیان کے مطابق سلیمان کے نائب علی پاشا نے ایسی چڑھائی کی تھی، کہ "اگر ان کی زندگی نہ باقی ہوتی تو وہابیوں کا یقینی خاتمہ ہو گیا تھا" (خلاصۃ الکلام ص ۲۶۸)

میں بالترتیب نوجیں بھیجیں جو ناکام واپس آئیں (تفصیل کے لئے: عنوان: ۱/ ۱۰۷-۱۰۹/ ۱۱۸؛ فلبی: ۶۸، ۶۹، ۷۰) پھر کیا تھا نجدی نوجیں عراق کے سرحد پر مسلسل دھاوے کرنے لگیں، امیر عبدالعزیز نے بڑھ کر بحرین اور سواحل عمان پر قبضہ کر لیا، جو بصرہ اور بغداد کے ترک حاکموں کے حملوں کے باوجود مستحکم ہوتا گیا۔

نجدیوں پر امتناع حج کی پابندی اور بدلے میں ان کا عراق پر حملہ اور عراقی قافلے کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا، اشراف مکہ کے لئے ہمیشہ خلجان کا باعث رہا، اور اسی دباؤ سے مجبور ہو کر انھوں نے بارہا حج کی عارضی اجازت دی اور وفود طلب کئے، پھر فوج کشی کی ٹھانی۔ غالب کا یہ رویہ برابر قائم رہا، اور اس نے ۱۲۰۵ھ/ ۱۷۹۰ء (عنوان ۱: ۸۷-۸۶؛ فلبی: ۵۳-۵۱) ۱۲۱۰ھ/ ۱۷۹۵ء (عنوان: ۱/ ۱۰۳-۱۰۷؛ فلبی: ۶۴) اور ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۸ء (عنوان: ۱/ ۱۱۲-۱۱۳؛ فلبی: ۷۳-۷۴) میں مسلسل تیاریوں کے بعد حملے کئے اور ہمیشہ ناکام رہا۔ آخری سخت معرکہ ۱۲۱۲ھ[۱] میں پیش آیا۔ اور غالب کو خرمہ (تربہ کے قریب ایک مشہور گاؤں) کے مقام پر بری طرح شکست ہوئی، اور اس کے ہزاروں آدمی کام آئے (عنوان: ایضاً)، تو اس کے لئے صلح جوئی اور حج کی اجازت دینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔ دونوں علاقوں کے درمیان حد بندی کر دی گئی، عتیبہ، حرب اور عسیر کا

---

[۱] یہ معرکہ جو وقعۃ الخرمۃ کے نام سے مشہور ہے، شوال ۱۲۱۲ھ (مارچ اور اپریل ۱۷۹۸ء) میں پیش آیا، غالب شکست کھا کر ۳ ذی القعدہ (۱۹ اپریل ۱۷۹۸ء) کو مکہ واپس ہوا۔ (خلاصۃ الکلام ص ۲۶۷)

شمالی علاقہ شریف کے حدود مملکت میں رہا۔ یہ صلح آخر جمادی الاول ۱۲۱۳ھ (دسمبر ۱۷۹۸ء) میں ہوئی (خلاصۃ الکلام ص ۲۶۷) اور ۱۲۱۳ھ سے ۱۲۱۵ھ تک نجدی حجاج اور ان کے ساتھ عراقی قافلے امن وامان کے ساتھ فریضۂ حج ادا کرتے رہے۔

حج ۱۲۱۳ھ: "خرمہ کے واقعہ کے بعد شریف نے عبدالعزیز کے پاس قاصد بھیجا اور صلح کی خواہش کی جسے امیر نے قبول کیا، اور شریف نے اہل نجد کو حج کی اجازت دی۔

اس سال نجد کا ایک قافلہ حج سے مشرف ہوا، جس میں شیخ الاسلام کے دو فرزند علی بن محمد اور ابراہیم بن محمد بھی تھے۔ (عنوان ۱: ۱۲۰)

دونوں کے درمیان عہد وپیمان مکمل ہو گئے، جنگ کی موقوفی اور امن وامان کا اعلان کر دیا گیا، وہابیوں کو حج بیت اللہ کی اجازت ملی، اور لوگوں کو ان کے ساتھ کسی قسم کا تعارض کرنے سے روک دیا گیا، تو ہر طرف سے وہ مکہ کی طرف لپکے۔ اللہ تعالیٰ کی بھی عجب شان ہے (!!) (خلاصۃ الکلام: ص ۲۶۸)

احمد وحلان (؟) حمد بن ناصر کے حج کا بھی ذکر کرتا ہے، لیکن ابن بشر دوسرے اعیان کے ضمن میں ان کا نام نہیں لیتا۔

اس سال خود امیر عبدالعزیز یا سعود بن عبدالعزیز حج سے مشرف نہ ہو سکے، سلیمان پاشا نے اپنے نائب علی پاشا کی سرکردگی میں عظیم الشان فوج ان کے مقابلہ کیلئے بھیجی تھی (رمضان ـ ذی القعدہ ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۹ء) اس مہم کی

تیاریوں میں دونوں باپ بیٹے الجھے رہے۔

حج: ۱۲۱۱ھ "اس سال سعود بن عبدالعزیز پہلی مرتبہ حج سے مشرف ہوا اہل نجد جنوب الاحا اور بدوؤں کی ایک بڑی تعداد وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا یہ حج بہت شاندار طریقہ پر ادا ہوا ......

.... نہایت اچھی طرح عمرہ ادا کیا اور حج سے فارغ ہوئے کوئی تکلیف نہیں پہنچی اور امن وامان سے واپس آئے والله الحمد والمنۃ"

(عنوان: ۱۲۰/۱)

اور ۱۲۱۴ھ میں سعود بن عبدالعزیز نے حج کیا اس کے ساتھ بے شمار آدمی تھے (قوم کالریال) مولانا شریف اور وہ ایک خیمہ میں ملے جو ان کے لئے ابطح میں نصب کیا گیا تھا ۲۸ ذی الحجہ مئی ۱۸۰۰ء کو واپس ہوا۔ (خلاصۃ الکلام ص ۲۶۸)

حج: ۱۲۱۵ھ اس سال عبدالعزیز بن محمد بن سعود نے خود زیارت بیت اللہ کا قصد کیا تھا اور اہل نجد واطراف نجد کی بڑی تعداد لے کر وہ روانہ ہوئے لیکن سات دن برابر سفر کے بعد وہ چور ہو گئے اور سعود بن عبدالعزیز کے اصرار پر وہ لوٹ گئے اور امیر سعود بن عبدالعزیز نے تزک واحتشام کے ساتھ حج کیا۔ ہزاروں ہزار صدقات اور بخشش کے طور پر تقسیم کئے یہ ان کا دوسرا حج تھا۔ (عنوان ۱/۱۲۱)

ان دونوں سالوں میں حج کے قافلے نجد کے حدود سے ہو کر امن وامان سے گزرے خود سعود بن عبدالعزیز نے بہ نفس نفیس نگرانی

کی، دوسرے سال عمان کا فرماں روا بھی حج سے مشرف ہوا۔

[فلبی: ۸۱ (خلاصہ)]

۱۲۱۲ھ سے ۱۲۱۵ھ تک واقعات اور حج کی یہ ترتیب مستند مآخذ سے لی گئی ہے۔ امیر شکیب (۴، ۱۶۳-۱۶۲) کے بیان میں غالباً کسی یوروپی ماخذ پر اعتماد کی وجہ سے ترتیب الجھ گئی ہے، اور صلح و حج کے سنین کا پتہ نہیں چلتا۔ اسلم صاحب (تاریخ نجد: ۶۷) نے غالباً اسی کا ترجمہ کیا ہے! اسی طرح مارد تمان کے مقالہ ابن سعود (انس. اسلام) میں گو سنین ٹھیک ہیں لیکن ترتیب الٹی پلٹی ہے۔

کربلا پر حملہ: ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۲ء

نجدیوں کے حملہ کربلاء و نجف اور بلد الحسین کی بے حرمتی کی داستان بہت کچھ رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کی گئی ہے، ہم یہاں صحیح ترین واقعات مختصر طور پر درج کرتے ہیں:۔

"حجاج کے قافلوں پر واپسی میں عراق کے قبیلوں نے حملہ کیا، جنھیں یقینی طور پر اوپر سے اس کی ہدایت تھی تاکہ وہابیوں کے قافلہ کے انتظام اور ان کی ذمہ داری پر حرف لگایا جاسکے ... (فلبی: ۸۱)

لیکن وہابیوں کے تعلقات بغداد اور اشراف کے ساتھ زیادہ دنوں تک دوستانہ نہ رہ سکے، سعود بن عبدالعزیز نے شہر کربلاد پر ۸ ار ذی الحجہ ۱۲۱۶ھ (۲۱ ر اپریل ۱۸۰۲ء) کو حملہ کیا، تاکہ شیعی قبیلہ خزاعل کے وہابی قافلہ پر حملہ کا انتقام لیا جاسکے ....."

.... (مارد تمان)

اور اس سال (۱۲۱۶ھ) سعود تمام نجد، جنوب، حجاز اور

تہامتہ سے ایک جرار لشکر لے کر کربلا کے ارادہ سے چلا اور بلد الحسین کے باشندوں پر حملہ کیا، یہ ذی القعدہ کا واقعہ ہے[1]۔ تو مسلمانوں نے اس پر دھاوا بول دیا، اس کی دیواروں پر چڑھ گئے، اور زبردستی (عنوۃً) داخل ہو گئے اور اکثر باشندوں کو گھروں اور بازاروں میں تہ تیغ کر دیا اور اس قبہ کو، جو ان کے اعتقاد کے مطابق حسین (رضی اللہ عنہ) کی قبر پر بنایا گیا تھا، ہدم کر دیا، قبہ اور اس کے آس پاس اور چڑھاوے النصبة التی وضعوها علی القبر کی تمام چیزیں لے لیں قبہ زمرد، یاقوت اور جواہر سے آراستہ تھا، اور اس کے علاوہ شہر میں جو کچھ مال ومتاع (ہتھیار، لباس، سونا، چاندی، قیمتی مصاحف اور بے شمار چیزیں) ملا سب لے لیا اور شہر میں ایک پہر سے زیادہ نہیں ٹھہرے

---

[1] ذی القعدہ ۱۲۱۶ھ (مارچ ۱۸۰۲ء) غالباً روانگی کی تاریخ ہے، اصل میں "وفیھا سار سعود بالجیوش۔ وذلك فی ذی القعدة" ہے۔ ہاردتمان نے حملہ کی صحیح تاریخ ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۱۶ھ (۲۱ اپریل ۱۸۰۲ء) دی ہے، جو صحیح معلوم ہوتی ہے۔ فلبی (ص ۸۱) نے اپریل ۱۸۰۱ء غلط لکھا ہے، ۱۸۰۲ء ہونا چاہیے۔ امیر شکیب نے ۲۰ اپریل ۱۸۰۱ء لکھی ہے، اور ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۲ء) کو 'قیل' کے ساتھ لکھا ہے اور ضعیف بتایا ہے۔ برائج (ص ۲۷) نے بھی ۱۸۰۱ء ہی میں حملہ کربلا کا ذکر کیا ہے، ہم ابن بشر کے بیان کو ترجیح دیتے ہیں۔ محمد حامد فقی (ص ۸) نے بھی ابن بشر ہی کی روایت لی ہے۔

ولم یلبث فیہا الاضحی ۃ اور ظہر کے وقت تمام مال لے کر
وہاں سے نکل آئے اور اس کے باشندوں میں سے تقریباً دو ہزار آدمی
قتل کئے گئے۔" (عنوان المجد: ۱/۱۲۱-۱۲۲)

اس واقعہ سے اہل نجد کی کتنی ہی تسکین کیوں نہ ہوئی ہو (فلبی: ۸۱) لیکن عام انانوں
خاص کر ایران کے شیعوں میں اس سے بڑی برہمی پھیلی کہا جاتا ہے کہ فتح علی شاہ قاچار
(۱۲۱۲ھ ۱۷۹۸ء - ۱۲۵۰ھ ۱۸۳۴ء) نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ نجد پر فوج کشی کرنا چاہی تھی اور
سلیمان پاشا، حاکم بغداد بھی ایک بڑی فوج تیار کر رہا تھا لیکن اہل ایران کی
روس سے چھڑ گئی اور سلیمان، کردوں کی ایک بغاوت فرد کرنے میں الجھ گیا،
اس لئے ان کے ارادے پورے نہ ہو سکے۔" (حاضر: ص۱۶۳ ج ۴)

فتح علی شاہ قاچار، شاہ ایران کی برہمی تو بالکل قرین قیاس ہے لیکن
نجد پر فوج کشی کے ارادے کی تصدیق دوسری تاریخوں سے نہیں ہوتی۔ مشرقی
کتاب خانہ پٹنہ کے ایک مخطوطہ (فہرست مشروح انگریزی: جلد ۱۶ نمبر ۱۳۳۷)
سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اس میں امیر سعود بن عبد العزیز کی طرف سے فارسی
میں فتح علی شاہ قاچار کے نام ایک خط ہے، جس میں باشندگان نجف کے مشرکانہ
اعمال کی برائی کے ساتھ ساتھ ان کے قتل کا بھی ذکر ہے نیز یہ بھی لکھا گیا کہ اگر
فتح علی شاہ نے ان برائیوں کے قلع قمع کرنے کی کوشش نہ کی تو امیر نجد کو مجبوراً
سخت کارروائی کرنا پڑے گی۔ اس خط کے ساتھ فتح علی شاہ کا جواب بھی ہے
جس میں شاہ قاچار نے امیر نجد کو تنبیہ اور ان "مظالم" سے باز رہنے کی تاکید
کی ہے۔ خط سے پہلے، مختصر الفاظ میں شیخ الاسلام کی دعوت کی تشریح (افادات

ہے۔ یہ افادات شیخ الاسلام سعود بن عبدالعزیز کی طرف سے ہیں اور اصل مکتوب امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود کی طرف سے لکھا گیا ہے حملہ کربلا (۱۲۱۶ھ/۱۸۰۲ء) کے وقت امیر عبدالعزیز حکمران تھا اور سعود بن عبدالعزیز ولی عہد اور سپہ سالار، اس لیے دونوں کا نام ہونا قرین قیاس بھی ہے۔

یہ مختصر مخطوطہ ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء کا لکھا ہوا ہے یعنی "واقعہ" کے صرف تین سال بعد اس کی کتابت ہوئی ہے، خطوط پر تاریخ درج نہیں بہر حال وہ حملہ کربلا سے متصل ہی لکھے گئے ہیں، اور اس میں فتح علی شاہ کے مجوزہ حملہ کا کوئی ذکر نہیں، پھر نہیں نبہی (۸،۹) سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۰۸ء میں فتح علی شاہ اور سعود بن عبدالعزیز کے تعلقات اچھے اور دوستانہ تھے، اس لیے ہم شاہ ایران کے مجوزہ حملہ نجد کے متعلق وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

رہا سلیمان پاشا حاکم عراق کا حملہ، سو اس کے بارے میں اتنا معلوم ہے کہ ۱۲۱۷ھ میں یعنی حملہ کربلاء کے کچھ ہی بعد اس کا انتقال ہو گیا (عنوان ۱۰،۱۲۲)

صلح کا خاتمہ: ۱۲۱۷ھ واقعہ خرمہ (۱۲۱۲ھ) کے بعد جو صلح فریقین کے درمیان ہوئی تھی، وہ بھی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی شریف غالب کو نجدی فوجوں کی زیادتی اور معاہدے کی خلاف ورزی کی شکایت ہوئی، خطوط سے مسئلہ طے نہ ہوا، تو شریف نے اپنے وزیر عثمان مضایفی کو گفت وشنید کے لیے بھیجا لیکن وہ وہاں جا کر ان کے حلقہ میں داخل ہو گیا اور واپسی پر اپنے نئے دوستوں کی طرف سے غالب کو دعوت مبارزت دی۔

ادھر غالب اور اس کے بھائی عبدالمعین میں ان بن ہو گئی، عبدالمعین نے

سعود سے مدد طلب کی، طائف کے قریب ایک جھڑپ ہوئی پھر غالب طائف میں قلعہ بند ہو گیا، لیکن اسے زک اٹھانا پڑی، اور طائف پر سعودی افواج کا قبضہ ہو گیا اور عثمان مضایفی حجاز کا حاکم مقرر ہوا (اواخر ۱۲۱۷ھ ۱۸۰۳ء) اور نجدی فوجیں اطراف و نواح میں پھیل گئیں اب ان کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف تھا۔

حج کا موسم قریب تھا، شامی قافلہ عبداللہ پاشا کی سرکردگی میں حرم سے صرف تین دن کے فاصلہ پر آکر رکا، سعود سے صلح ہو گئی، شرط یہ ہوئی کہ قافلہ تین دن میں مراسم حج سے فارغ ہو کر الٹے پاؤں واپس چلا جائے، غالب نے عبداللہ پاشا سے درمیان میں پڑنے کی درخواست کی، لیکن وہ شرط کے مطابق حج سے فارغ ہوتے ہی واپس ہو گیا، اور غالب کی التجا بے کار گئی (عنوان: ۱/ ۱۲۲/۲، خلیجی: ۸۳)

مکہ مکرمہ کا فاتحانہ داخلہ محرم ۱۲۱۸ھ (اپریل ۱۸۰۳ء)

حج کے ختم ہوتے ہی غالب نے جدہ جا کر پناہ لی اور سعود بن عبدالعزیز، یوم شنبہ ۸ محرم الحرام (۳۰ اپریل ۱۸۰۳ء) کو مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوا[1]، باشندوں کی طرف سے کوئی مقاومت نہیں کی گئی، امیر سعود بن عبدالعزیز نے غالب کے بھائی عبدالمعین کو مکہ مکرمہ کا امیر مقرر کیا، اور خود "اصلاح" کی طرف توجہ کی۔

"... سعود نے باشندوں کو امان دی اور صدقات و عطیات دل

---

[1] ڈکشنری آف اسلام (ص ۶۶۰) میں مکہ معظمہ میں داخلہ کی تاریخ ۲۷ اپریل دی گئی ہے جو غلط ہے۔ غالباً زویمر (ص ۱۹۴) نے بھی اسی سے یہ غلطی نقل کی ہے۔

کھول کر تقسیم کئے۔ جب سعود اور مسلمان طواف اور سعی سے فارغ ہوئے تو اہل نواحی قبوں اور شرکیہ مشاہد کے انہدام پر مامور کئے گئے۔

"مکہ کے ہر حصہ میں اس قسم کی چیزیں بہ کثرت تھیں سعود نے کوئی بیس دن قیام کیا اور اس دوران میں مسلمان ان قبوں کو گراتے رہے۔۔۔

۔۔۔ تا آنکہ مکہ کے تمام مشاہد اور قبے زمین کے برابر کر دئے گئے۔

(عنوان: ا، $\frac{۱۲۲}{۲ و ۳}$)

سعود عبد المعین کو امیر بنا کر خود حرم کو مشرکانہ آلودگیوں سے پاک کرنے کی طرف متوجہ ہو گیا، کعبہ کے جواہر اور قیمتی ذخیرے فاتحین میں تقسیم کر دئے گئے، قبے گرائے گئے اور بعض مجاور قتل بھی کئے گئے۔

(فلبی: ۸۳)

ابن بشر، جواہرات کی تقسیم اور مجاوروں کے قتل کا بالکل ذکر نہیں کرتا، یہ سعود کے داخلہ مکہ کا ایک رخ تھا، جو شاید عام لوگوں کے نزدیک مقبول نہ ہو، اس فتح کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو، ایک پادری HUGHES کا بیان ہے:

"حرم کی تقدیس کے باعث باشندوں کو ادنی گزند نہیں پہنچا ۔۔۔۔ اور اہل نجد کے صاحب امر ہونے کے بعد مسجدیں اس طرح آباد ہوئیں کہ بلد امین میں طاعت و زہد کی یہ مثال عہد نبوت کے بعد دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ (ڈکشنری آف اسلام ص ۶۶۰)

ایک انگریز معاصر برک ہارٹ لکھتا ہے:

مقدس شہر میں داخل ہونے پر فوج نے کوئی ناروا حرکت نہیں کی
تمام دکانیں دوسرے روز کھل گئیں اور فوجیوں نے ضرورت کی
تمام چیزیں نقد قیمت دے کر خریدیں (ص ۱۹۵ ج ۲ نیز براکج ص ۲۲)

ایک دوسری جگہ یہی برگ ہارٹ لکھتا ہے:

"اہل مکہ اب تک سعود کا نام جذبہ امتنان کے ساتھ لیتے ہیں، مختلف
زیارتوں اور حج کے موقعوں پر فوج کا قابل تعریف رویہ، خاص طور پر یاد
کیا جاتا ہے، بلد الحرام میں پہلے داخلے کے وقت اس کی سپاہ کا منصفانہ
برتاؤ اب تک ان کے ذہن سے محو نہیں ہوا" (ج ۲ ص ۱۴۹)

اس کے علاوہ نماز باجماعت کی پابندی پر مجبور کیا گیا اور ریشمی کپڑے اور تمباکو کے آلات ضائع کردئے گئے (" ") غیر اسلامی ٹیکس اور چنگیاں روک دی گئیں (الہدیۃ السنیۃ: ص ۴۳) مکرر جماعتیں بھی روک دی گئیں، اور مختلف فقہی مذاہب کے علماء مختلف وقتوں میں امامت کرنے لگے (خلاصۃ الاحکام ص ۲۷۸)

اہل نجد کے عقائد اور طریق عمل کی توضیح کے لئے شیخ عبداللہ بن شیخ الاسلام کے قلم سے لکھوا کر ایک رسالہ عام طور پر تقسیم کیا گیا (مجموعہ الہدیۃ السنیۃ: ص ۵۴-۱۴)
اس رسالہ میں قبوں اور زاویوں کے انہدام کا صاف صاف ذکر کیا گیا ہے، نیز دوسرے مختلف فیہ مسئلوں پر گفتگو کی گئی ہے۔ دحلان (خلاصۃ الکلام ص ۲۷۹) کے مطابق، شیخ الاسلام کے رسالہ کشف شبہات کے پڑھنے پڑھانے کا بھی حکم ہوا۔

ابھی غالب کے جدہ میں پناہ لینے کا ذکر آچکا ہے مکہ مکرمہ میں صرف چودہ دن قیام کے بعد سعود نے اس کا تعاقب کیا (۲۲ محرم ۱۲۱۸ھ) لیکن حملہ میں

ناکام رہا' اس کی سپاہ پلیگ کا شکار ہو گئی مجبوراً اسے سردست حجاز کا خیال چھوڑنا پڑا۔ مکہ میں اس کے دو سو آدمی رہ گئے تھے' جو بری طرح ذبح کیے گئے۔ (زنیلی: ۸۳ حاضر العالم الاسلامی: ص ۱۶۲ ج ۴)

امیر عبدالعزیز کی شہادت رجب ۱۲۱۸ھ

۱۸ رجب ۱۲۱۸ھ (۴ نومبر ۱۸۰۳ء) کو امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود حسب معمول درعیہ میں عصر کی نماز پڑھ رہا تھا' کہ عین سجدہ کی حالت میں ایک جفاکار نے اسے خنجر سے شہید کر دیا' خیال کیا جاتا ہے کہ قاتل کوئی ایرانی یا کردی[۱] شیعہ تھا' جس کے کئی لڑکے کربلا میں نجدیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے' اور وہ انتقام کے ارادہ سے درعیہ میں قیام پذیر تھا' غریب صورت اور درویش منش پا کر امیر عبدالعزیز نے اس کی کافی خاطر و مدارات بھی کی تھی' ایک سال تک انتظار کے بعد' آخر اسے موقع ملا' اور امیر عبدالعزیز کا کام تمام کر کے اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

---

[۱] عام مورخ قاتل کو ایرانی شیعہ بتاتے ہیں (زنیلی: ۸۴' حاضر: ۴' ۱۶۳) لیکن ابن بشر (۱' ۱۲۳) کردی بتاتا ہے اور پھر "قیل" کے ساتھ شیعی بھی کہتا ہے۔ یہ قیل اس لئے کہ کرد شیعہ نہیں بلکہ کٹر سنی ہیں (..... واللہ اعلم لان الاکراد لیسوا باھل رفض ولا فی قلوبھم غل علی المسلمین ۱' ۱۲۴)۔ ابن بشر (ر) اس قاتل کا نام عثمان بتاتا ہے' جو موصل کے پاس' ایک قصبہ عماریہ کا رہنے والا تھا۔ اسلم صاحب (تاریخ نجد ص ۷۸) نے اس کا نام عبدالقادر لکھا ہے' پتہ نہیں ان کا ماخذ کیا ہے؟ محمد حامد فقی (ص ۹۴) نے بھی قاتل کا نام عثمان ہی لکھا ہے۔

عبدالعزیز بن محمد بن سعود نے ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۵ء سے ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء تک کل انتالیس سال حکومت کی، اور اس حکومت کا بیشتر حصہ خود شیخ الاسلام کی نگرانی میں گزرا (۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء) تک عبدالعزیز نے نمایاں حیثیت تو اپنے والد ہی کے عہد میں حاصل کر لی تھی اور تمام اہم معرکے (۱۱۵۹ھ/۱۷۴۴ء سے ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۵ء) اسی کی قیادت میں سر ہوئے تھے، بالکل اسی طرح جیسے اس کے دور حکومت میں تمام اہم لڑائیاں اس کے ولی عہد سعود بن عبدالعزیز کی سرکردگی میں لڑی گئیں۔ امیر عبدالعزیز نے خود شیخ الاسلام کی صحبت اٹھائی تھی، اس لئے تبلیغ و دعوت کا شوق اس کے دل و دماغ میں سمایا ہوا تھا، جو علاقہ فتح ہوتا وہاں وہ سب سے پہلے مبلغین اور متطوعین کا تقرر کرتا رعایا پر رحم دلی اس کی طبیعت ثانیہ تھی، یہ موقع تفصیل کا نہیں، اس کے محاسن و معمولات، ابن بشر نے (۱، ۱۲۸-۱۲۴) اچھی طرح بیان کئے ہیں، ہم صرف امام محمد بن علی شوکانی (۱۱۷۳ھ/۱۷۶۰ء - ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۲ء) کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں شوکانی، امیر عبدالعزیز کے معاصر تھے، اور ان پر شیخ الاسلام کی ہم مشربی کا "الزام" بھی نہیں عائد کیا جا سکتا۔ (ملاحظہ ہو باب چہارم دعوت، اور باب پنجم غلط بیانیاں)

"۔ ۔ ۔ جو اس کی حکومت میں داخل ہوتا، نماز، زکوۃ، روزہ اور تمام شعائر اسلام کا پابند ہو جاتا۔ اس کے حلقہ طاعت میں شام ۔ ۔ ۔ کے عرب داخل ہوئے اور فرائض دین کے سخت پابند ہو گئے، حالانکہ اس سے پہلے وہ اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے، اور غلط سلط کلمہ شہادت ادا کرنے کے سوا کوئی رکن ادا نہیں کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اس سے پہلے وہ بالکل جہالت میں گھرے ہوئے تھے اور اب ۔ ۔ ۔ نمازیں

وقت پر ادا کرنے لگے ہیں . . . . (البدر الطالع: ۲ ص ۵)

برک ہارٹ (ص ۱۳۶) نے بھی اس کی تبلیغی کوششوں، قاضیوں کا تقرر، قاضیوں کی انصاف پرستی وغیرہ کا شاندار الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

سعود بن عبد العزیز
۱۲۱۸ھ - ۱۲۲۹ھ
۱۸۰۳ء - ۱۸۱۴ء

امیر عبد العزیز کی شہادت کے بعد اس کا بیٹا سعود امیر مقرر ہوا، سعود کے لئے امارت کی بیعت شیخ الاسلام کی زندگی ہی میں، ان کی ایما سے لی جا چکی تھی (۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۸ء، روضۃ الافکار ۲/ ۱۵۴، عنوان المجد: ۱/ ۸۳)۔

سعود زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے باپ کے نقش قدم پر دعوت وحکومت کی توسیع میں سرگرم ہو گیا۔ اور دور دراز کے فوجی مہمات کی سرکردگی، اپنے بیٹے عبد اللہ کے سپرد کی۔ عبد اللہ نے ایک طرف حجاز میں خیبر کو سرنگوں کیا اور دوسری طرف بحرین، عمان اور راس الخیمہ تک اپنی فتوحات کی دھاک بٹھا دی۔

اب باب عالی کو بھی فکر ہوئی، علی پاشا حاکم عراق، عبد اللہ پاشا حاکم دمشق اور شریف پاشا، حاکم جدہ، تینوں کو اس خطرہ کی بیخ کنی کا حکم ہوا۔ عراق میں عربوں اور کردوں کی ایک بڑی فوج تیار کی گئی، لیکن یہ تیاریاں وقت پر مکمل نہ ہوئیں، ادھر سعود کو موقع ملا، اور اس نے بصرہ پر دھاوا کر دیا، علی پاشا، حلہ میں قلعہ بند تھا، اسے چھوڑ کر نجدی فوجیں زبیر پر حملہ آور ہوئیں اور وہاں کے تمام قبے اور غیر شرعی مشاہد گرا کر واپس ہوئیں (ذی الحجہ ۱۲۱۸ھ - مارچ و اپریل ۱۸۰۴ء) سعود تو کامیاب لوٹا اور علی پاشا کردستان کی ایک بغاوت کے فرو کرنے میں الجھ گیا اور اس کی مہم ناکام رہی۔ (عنوان: ۱/ ۱۳۰، فلبی: ۸۷-۸۶)

مکہ مکرمہ کی دوبارہ فتح
۱۲۲۰ھ
۱۸۰۶ء

اب سعود کو ہر طرف سے اطمینان ہوگیا عمان اور ساحلی علاقے اس کی برتری اور اقتدار تسلیم ہی کر چکے تھے، عراق کی طرف سے جو اطمینان ہوا، تو اس نے پھر حجاز کو زیر نگیں کرنے کا تہیہ کر لیا ذی قعدہ ۱۲۱۹ھ ۔فروری ۱۸۰۵ء) عثمان مضایفی نے بلا پس و پیش طائف پر قبضہ کر لیا اور ۱۲۲۰ھ ۱۸۰۵ء کے آغاز میں اہل مدینہ نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ اور سمع و طاعت کا عہد کیا۔ حسب دستور مدینہ منورہ میں عام قبروں کے قبے اور مشاہد کرا دیے گئے[۱] (عنوان: ۱؍۱۳۵)

اس اثنا میں نجدی فوجیں جو آس پاس کے تمام علاقوں پر قابض ہو چکی تھیں، مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئیں حج کا زمانہ قریب آگیا تھا، شامی قافلہ محاصرہ کی وجہ سے رک گیا، ادھر اہل مکہ پریشان ہوئے مجبوراً غالب نے امان طلب کی، اور سعود کی اطاعت کا عہد کیا (اواخر ۱۲۲۰ھ ۔جنوری یا فروری ۱۸۰۶ء) شامی قافلہ کو حج کی اجازت ملی، غالب نے اطاعت کے ثبوت میں سعود کے پاس تحفے بھیجے اور اس نے اپنے سرداروں عبدالوہاب ابو نقطہ اور عثمان مضایفی کے منظور کردہ صلح کی تصدیق کی، پھر کیا تھا "امن و خوش حالی کا دور دورہ ہوا، قحط سالی[۲] ختم ہو گئی، اور تمام راستے پر امن ہو گئے (عنوان: ۱؍۱۴۴)

---

[۱] اسٹاڈرڈ (حاضر ج ۱ ص ۲۶۴) Hughes, (ڈکشنری آف اسلام (ص ۶۶۰) وغیرہ وغیرہ نے قبۃ الرسول کے انہدام کا ذکر کیا ہے جو یکسر غلط ہے تفصیل غلط بیانیوں کے باب میں) حاشیہ نمبر (۳۹۲) صفحہ (۸۳) پر ملاحظہ ہو۔

دو یوروپی معاصروں کا بیان اس سے بالکل الگ ہے:

"مدینہ منورہ ۱۸۰۴ء میں فتح ہوا، وہاں ایک شخص حسن قلعی شہر پر قابض ہو گیا تھا۔ اور شہر کو سعود کے سپرد کرنے سے پہلے قبہ شریف کے خزانے پر قبضہ کر کے اس نے اپنے خاص لوگوں میں تقسیم کر دیا فتح کے کچھ ہی بعد سعود مدینہ پہنچا اور قبہ کھول کر جو تھوڑا بہت بچ گیا تھا اپنے قبضے میں کر لیا" (برک ہارٹ: ۲، ۱۹۸-۹؛ برایج: ۳۳، ۳۴)

سعود کا تیسرا حج ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۷ء

سعود کے دو حج پہلے مذکور ہو چکے ہیں (۱۲۱۳ھ اور ۱۲۱۵ھ) اب دوبارہ فتح مکہ کے بعد پھر اسے زیارت بیت اللہ اور اپنی تبلیغی کوششوں کی تکمیل کا موقع ملا۔

تیسرے حج کا ارادہ کر کے وہ ۱۲ ذی قعدہ ۱۲۲۱ھ (۲۱ جنوری ۱۸۰۷ء) کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ۵؎ یہ قحط سالی ذی الحجہ ۱۲۱۹ھ سے ذی قعدہ ۱۲۲۰ھ تک رہی (خلاصۃ الکلام: ۲۸۵) نجد و یمن پر بھی اس قحط کا اثر پڑا لیکن سب سے زیادہ تنگی مکہ مکرمہ میں محسوس ہوئی جنگ اور محاصرہ کی وجہ سے باشندے یوں ہی چور تھے قحط نے بالکل ادھ موا کر دیا (عنوان: ۱، ۱۳۳) قلعی نے فتح مکہ کے ساتھ سلب و نہب کا بھی ذکر کیا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ احمد زین دحلان نے جہاں بے شمار گالیاں دی ہیں، وہاں اس "قتل و نہب" کا بالکل ذکر نہیں کیا (خلاصۃ الکلام: ۲۹۲)

۶؎ قلعی (۸۷) نے واقعات اور سنین کی ترتیب کچھ غلط دی ہے، امیر شکیب کا بیان مبہم اور غیر مرتب ہے۔ صرف مارد تمان نے سنین ٹھیک دیے ہیں،

درعیہ سے روانہ ہوا، مکہ مکرمہ پہنچ کر اس نے اپنی حیثیت اور منصب کے مطابق صدقات و عطیات تقسیم کیئے۔ ذی الحجہ کے آخر میں مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ اور وہاں انتظامی امور ٹھیک کر کے لوٹ گیا۔ احمد وحلان (ص ۲۹۴) حجرہ شریفہ کے زر و جواہر کے نکالنے کا ذکر کرتا ہے، لیکن ابن بشر ساکت ہے، بلنٹ (ص ۲۵۶ ج ۲) اور دوسرے یوروپی مورخ بھی اس کا ذکر کرتے ہیں لیکن ابن بشر کے سکوت کے وجہ سے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اگر نجف کی طرح حجرہ نبویہ کے زر و جواہر بھی سعود تصرف میں لاتا یا سپاہیوں میں تقسیم کرتا، تو یہ نجدی معاصر ضرور ذکر کرتا، اس لئے کہ اس کے نزدیک یہ کوئی مذموم فعل تھا ہی نہیں۔ نجف و کربلا میں اس قسم کے واقعات، خود ابن بشر کی زبانی گزر چکے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ص)

البتہ جبرتی (۴: ۲۹۹) خود عبداللہ بن سعود کی زبانی، زر و جواہر کے لینے اور پھر ان کی واپسی کا ذکر کرتا ہے، جس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ واقعہ صحیح ہو، اور ابن بشر نے نظر انداز کر دیا ہو۔

اس سفر میں چند خاص باتیں ہوئیں، شامی قافلے کو شرطوں (باجے گاجے سے پرہیز وغیرہ) کی عدم تعمیل کے باعث واپس ہونا پڑا (خلاصۃ الکلام: ۲۹۴) سعود نے ترک فوجوں کو مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کیا اور غالب نے سعود کے ہاتھ پر بیعت کی (عنوان: ۱ / ۱۲۸) اس حج میں سعود کے ساتھ اس کے تمام امراء اور اہل نجد و نواح نجد کی بڑی تعداد ساتھ تھی۔

حج اور اصلاحات: ۱۲۲۲ھ - ۱۲۲۷ھ

۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۷ء میں تیسرا حج ہوا، اور اس کے بعد ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء تک اس نے مسلسل ہر سال حج کیئے، حج و اجتماع کے ان موقعوں پر وہ

اپنی تبلیغی کوششوں سے کبھی غافل نہیں رہا۔ مختلف سالوں میں اس نے مختلف احکام نافذ کیے، مصری اور شامی محمل روک دیے گئے، نیز قافلوں کے ساتھ باجے گاجے کی یک لخت ممانعت کر دی (خلاصۃ الکلام ص ۲۹۴)

"مکہ مکرمہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بول بالا ہوا۔ بازاروں میں اب تمباکو پینے والا نظر نہیں آتا۔ سعود نے خاص طور پر نماز کے لئے محتسب مقرر کیے، اذاں ہوتے ہی بازاروں میں "الصلاۃ الصلاۃ" کی منادی ہوتی (۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء) (عنوان: ۱/۱۴۱)

۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۱ء میں خود ابن بشر زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوا، وہ اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کرتا ہے:

"میں نے بھی اس سال حج کیا، میں نے سعود کو احرام کی حالت میں ایک سواری (اونٹ) پر دیکھا، . . . . . اس سواری پر کھڑے ہو کر اس نے ایک بلیغ خطبہ دیا، جس میں لوگوں کو نصیحت کی اور آداب حج بتائے اور انھیں کلمۃ لا الٰہ الا اللہ کی برکتیں (اتحاد، امن، دولت کی فراوانی اور سرکشوں کی اطاعت) یاد دلائیں، اس نے کہا کہ وہ ایک کمزور سے کمزور کو، قوی سے قوی کے مقابلہ میں، اس کا حق دلا کر رہے گا اور اسی سواری پر سے اس نے منادی کی:

کہ مکہ مکرمہ میں کوئی ہتھیار نہ اٹھائے اور کوئی عورت آراستہ و پیراستہ ہو کر نہ نکلے اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا کی دھمکی دی۔ اور بازاروں میں، نماز پر آمادہ کرنے کے لئے خاص آدمی

مقرر کئے اب تم نماز کے وقت شاید ہی کسی کو برگشتہ پاؤ گے اور ان تمام سالوں میں بازار میں کوئی تمباکو یا دوسری منکرات کھلم کھلا استعمال کرنے کی جرات نہ کر سکا۔ (عنوان المجد: ۱/۱۵۱)

۱۲۲۶ھ ۱۸۱۲ء کے متعلق ابن بشر لکھتا ہے:

"اور مکہ مکرمہ میں اب کوئی منکر چیز (تمباکو نوشی، ترک صلوۃ اور غیر اللہ کی قسم کھانا) نہیں دکھائی پڑتی۔

سعود بن عبدالعزیز کی اصلاحات کا سب سے زیادہ مفصل ذکر جبرتی کرتا ہے، محرم ۱۲۲۱ھ کے حوادث میں شریف غالب اور امیر سعود کی باہمی مصالحت کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے:

"۔۔۔۔ منکرات کی گرم بازاری اس نے قطعاً روک دی، اس طرح مسعیٰ اور صفا و مروہ کے درمیان تمباکو نوشی بھی بند کر دی، جماعت کے ساتھ نمازوں کی پابندی اور زکوۃ کی ادائگی کا حکم دیا۔ ریشمی کپڑوں کے استعمال کی بھی ممانعت کی۔ ناروا محصول اور عام مظالم روک دئے گئے اور وہ لوگ (اہل مکہ اور شریف مکہ) اس بارے میں حد سے گزر چکے تھے۔ اور تو اور وہ ہر لاش پر پانچ یا دس فرانک ٹیکس لیتے تھے، اور اگر مردے کے اعزا مقررہ محصول نہ ادا کر سکتے تو انھیں لاش اٹھانے اور دفن کرنے کی اجازت نہ ملتی۔۔۔۔ اس کے علاوہ بے شمار بدعتیں اور نت نئے ناروا محصول انہوں نے ایجاد کر لئے تھے۔ بازار کی خریداری اور گھروں پر بھی محصول عائد ہوتا۔ با اوقات انسان اپنے گھر میں

اطمینان سے بیٹھا ہوتا اور اسے یک بیک گھر خالی کرنے کا حکم ملتا۔ سرکاری ملازم کہتے کہ "آقا کو اس گھر کی ضرورت ہے، اب یا تو گھر خالی کر دو یا پھر کچھ لے دے کر مصالحت کر لو" . . . .

"... شریف نے ان سب چیزوں کے ترک کر دینے کا عہد کیا، اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے، توحید، اتباع رسول اور خلفائے راشدین کے اُسوہ کی پیروی کا عہد کیا۔ اور ان تمام چیزوں سے احتراز کا وعدہ کیا، جو لوگوں نے بعد کو پیدا کرلی ہیں غیر اللہ سے مدد مانگنا، قبروں پر قبوں کی تعمیر، تصویروں اور نمائشی چیزوں کی بہتات، چوکھٹوں کو بوسہ دینا، غیر اللہ کے لئے تذلل اور خضوع — خلاصہ یہ کہ ان تمام بدعتوں سے اجتناب کا اس نے عہد کیا۔ جن میں کہ مخلوق کو کسی نہ کسی طرح الوہیت کا شریک گردانا جاتا ہے . . . .

ان اصلاحات کے بعد راستے مامون ہو گئے، مکہ مکرمہ اور مدینہ، مکہ اور جدہ اور طائف کے راستے کھل گئے . . . ."

(جبرتی: ۴: صـ ۵-۶، ملخص)

برک ہارٹ (صـ ۱۴۷) نے بھی نمازوں پر سختی اور سزاؤں کا ذکر کیا ہے،

بعض دوسری فتوحات اور لڑائیاں

حجاز کی فتح پر سعود کی فوجی سرگرمیاں ختم نہیں ہوتیں (۱۲۲۳ھ[1] / ۱۸۰۸ء) میں اس نے نجف پر حملہ کیا، لیکن کامیابی

---

[1] قلبی (صـ ۸۹) نے نجف پر حملے کی تاریخ اپریل ۱۸۰۶ء دی ہے، ہم نے اختلاف کی صورت میں ابن بشر کو ترجیح دی ہے۔

نہ ہوئی۔ (عنوان: ۱/ ۳۵)۔ راستے میں سماوہ اور زبیر پر حملے کئے گئے۔

ربیع الثانی ۱۲۲۵ھ (جون ۱۸۱۰ء) میں سعود نے شام کا قصد کیا اور متعدد حملوں کے بعد کافی مال و متاع لے کر کامیاب لوٹا (عنوان: ۱/ ۱۴۸،۱۴۹) فلبی: ۸۹ نے یہاں بھی سنہ کی تعین میں غلطی کی ہے) اور ابن بشر کے بیان کے مطابق،

"اس غزوہ کی وجہ سے اہل شام کے دلوں پر سعود کی دھاک بیٹھ گئی"

بصرہ اور اس کے نواح پر بار بار حملے ہوئے لیکن کوئی پائدار فائدہ نہیں ہوا۔

راس الخیمہ: ۱۲۲۴ھ ان لڑائیوں کے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے بھی ایک جھڑپ ہوئی خلیج فارس کے باشندے جو قبیلہ جوازم سے تعلق رکھتے تھے عرصہ سے تجارتی جہازوں پر دھاوے کیا کرتے اور کامیاب رہتے اب سالہا سال سے عمان اور خلیج فارس کے ساحلی علاقوں پر سعود کا سکہ چلتا تھا، اور یہ بحری بیاہی (قرصان Pirates) بھی سعود ہی کے زیر نگیں تھے، انیسویں صدی کے شروع میں اس "بحری تاخت" کے روک تھام کی انگریزوں نے بڑی کوششیں کی، اور آخر حکومت بمبئی نے ستمبر ۱۸۰۹ء (رمضان ۱۲۲۴ھ) میں ان کے مرکز راس الخیمہ پر سخت حملہ کیا اور قرصان Pirates کے بیڑہ کو کاری ضرب لگائی۔ (تفصیل کے لئے عنوان: ۱/ ۱۴۶، فلبی ۹۲) ۱۲ نومبر ۱۸۰۹ء (شوال ۱۲۲۴ھ) تک راس الخیمہ جلا کر راکھ کیا جا چکا تھا، اور قرصان کو اپنا راس الخیمہ کا مرکز چھوڑنا پڑا۔

گو اس شکست سے نجدیوں کی مقامی ساکھ قائم رہی، اور عمان کے

اندرونی علاقوں میں ان کی عسکری تگ و تاز جاری رہی۔ پھر بھی ز ویمر کے الفاظ میں

"مصریوں سے پہلے اہل نجد کو جو سب سے سخت دھکا لگا، وہ یہی برطانیہ کے ہاتھوں تھا۔ ۱۸۰۹ء میں بمبئی سے آگ ایک انگریزی مہم ان کے خاص بحری مستقر اور مرکز راس الخیمہ کے "قرضی" باشندوں Piratic inhabitants, کے خلاف پہنچی مرکز پر بمباری اور جلا کر خاکستر کر دیا گیا" (ص ۱۹۷)۔ براج نے وہابیوں کی زیادتیوں، اور راس الخیمہ پر حملہ اور پھر ان کی سزایابی کی مفصل روداد بیان کی ہے (ص ۴۴-۴۵) اور کرنل اسمتھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "وہابی کی طاقت پر یہ پہلی اخلاقی ضرب تھی" (ص ۴۴) (نیز ملاحظہ ہو برک ہارٹ ص ۲۰۸)

مصریوں کا حملہ ۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء

اواخر ۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء میں مصریوں کا حملہ شروع ہوا، اس وقت نجدی حکومت کا اثر شمال میں حلب سے لے کر بحر ہند تک اور شرق میں خلیج فارس اور عراق بحر قلزم تک پھیلا ہوا تھا۔ اور راس الخیمہ کی زک کو چھوڑ کر اب تک اس جواں سال حکومت کو کوئی قابل ذکر صدمہ بھی نہیں پہنچا تھا، نجدی اثر و اقتدار کی خبریں آستانہ پہنچ رہی تھیں، بغداد، دمشق اور جدہ کے حاکم عاجز آچکے تھے۔ آخر باب عالی نے تنگ آکر محمد علی پاشا خدیو مصر کو اہل نجد کی سرکوبی پر مامور کیا (۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء) کہا جاتا ہے کہ یہ ۱۸۰۴ء میں اسی شرط پر مصر کا پاشا بنایا گیا تھا۔ "سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے" شاید اسی

موقع پر کہا گیا ہے۔ محمد علی، خدیو مصر (مولود ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء متوفی ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء) کی روز افزوں طاقت بھی باب عالی کے لئے متقل خطرہ بنتی جا رہی تھی، آل سعود اور خدیو مصر دونوں کی ٹکر آستانہ کے عرش نشینوں کے لئے بہر حال فائدے سے خالی نہیں تھی۔

محمد علی کا بیٹا طوسون (م ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء) دس ہزار فوج لے کر ساحل پر اترا اور بآسانی ینبع پر قابض ہو گیا، ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء اس کے بعد وہ مدینہ کی طرف بڑھا راستے میں جدیدہ کی تنگ گزرگاہ کے قریب سعود کے بیٹوں عبداللہ اور فیصل نے جم کر مقابلہ کیا اور شکست دی۔ تقریباً بارہ سو مصری مقتول ہوئے (برک ہارٹ ۲۳۲ / ۲) اور طوسون کو پھر ینبع کی طرف ہٹنا پڑا (اواخر ذی قعدہ ۱۲۲۶ھ/دسمبر ۱۸۱۱ء، عنوان: ۱/ ۱۵۵، ۱۵۶)

طوسون | طوسون کچھ دنوں ینبع پڑا رہا، پھر اس نے مدینہ کی طرف پیش قدمی کی، اور ایک دو ماہ کے محاصرے کے بعد مصری مدینہ منورہ پر قابض ہو گئے (ذی قعدہ ۱۲۲۷ھ/نومبر ۱۸۱۲ء، عنوان: ۱/ ۱۵۸، فلبی: ۹۴)

---

[1] مارد تمان نے مصریوں کی شکست کی تاریخ ۴/ ذی قعدہ ۱۲۲۶ھ (۲۳/ نومبر ۱۸۱۱ء) دی ہے احمد دحلان (خلاصۃ: ۲۹۵) معرکہ کارزار گرم ہونے کی تاریخ ۱۳/ ذی قعدہ بتاتا ہے۔ برک ہارٹ (ص ۲۲۹) اور برائج (ص ۱۵) پیش قدمی کی تاریخ جنوری ۱۸۱۲ء لکھی ہے۔ فلبی (ص ۹۲-۹۴) نے جنگ اور اسباب شکست کی تفصیل تو مزے لے کر بیان کی ہے لیکن کوئی متعین تاریخ نہیں دی۔

طوسون فوراً جدہ پہنچا' عبداللہ بن سعود' جو حجاز میں نجدی افواج کا سردار تھا' مکہ مکرمہ خالی کرنے پر مجبور ہوا۔ اور بلد الحرام پر بلا کسی پس وپیش کے مصریوں کا قبضہ ہو گیا (محرم ۱۲۲۸ھ / جنوری ۱۸۱۳ء' عنوان: ۱۶۰) کچھ ہی دنوں کے بعد طائف بھی ان کے قبضہ اقتدار میں آگیا۔ اور احمد دحلان (ص ۲۹۶) کے بیان کے مطابق اس فتح کی خوشی میں تمام مصری قلمرو میں پانچ روز جشن منایا گیا۔ اس کے بعد طائف سے قریب تربہ کے قریب سخت معرکہ پیش آیا اور مصریوں کو شکست ہوئی (شعبان ۱۲۲۸ھ / اگست ۱۸۱۳ء' عنوان: ۱۶۱)

تربہ کے اس واقعہ کے بعد سعود کے گورنر عثمان مضایفی کی ہمت بڑھی اور پھر اس نے طائف کی طرف پیش قدمی کی' لیکن ایسے اسے زک ہوئی' اس کے بہت سے آدمی کام آئے' اور آخر وہ خود گرفتار ہوا[۱] (۱۰ رمضان ۱۲۲۸ھ / ۶ اگست ۱۸۱۳ء عنوان: ۱۶۲) اور غالب نے اسے محمد علی پاشا کی خدمت میں مصر بھیج دیا۔ محمد علی' تو حجاز کے لئے رخت سفر باندھ چکا تھا' اس کی عدم موجودگی میں عثمان مضایفی کو ایک خچر پر بٹھا کر پورے قاہرہ میں گشت کرایا گیا' اور اس کے بعد

---

[۱] فلبی (ص ۹۶) نے عثمان مضایفی کی گرفتاری اور قتل کے واقعہ کو مؤخر کر دیا ہے' احمد دحلان (۲۹۲) اور ابن بشر (۱۶۲) دونوں اس واقعہ کو محمد علی پاشا کی آمد حجاز سے پہلے ذکر کرتے ہیں۔ برک ہارٹ (ص ۲۴۷) اور برائج (ص ۶۱) کا بیان ہے کہ عثمان مضایفی کی گرفتاری پر پانچ ہزار ڈالر انعام رکھا گیا تھا' یہ دونوں گرفتاری کی تاریخ ستمبر ۱۸۱۲ء بتاتے ہیں۔ اور معرکہ بسل کے بعد جس کا ذکر ابھی آتا ہے۔

دارالحکومت (آستانہ) بھیج دیا گیا جہاں موت اس کا انتظار کر رہی تھی (اواخر ۱۲۲۸ھ / دسمبر ۱۸۱۳ء) احمد دحلان جس نے عثمان مضایفی کی برائی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی (ص ۲۷۲-۲۷۱) اس بے رحمانہ قتل پر اظہار افسوس کرتا ہوا لکھتا ہے:

"عثمان مضایفی جب مصر میں تھا۔ تو محمد علی پاشا کے ارباب حکومت اس کی گفتگو اور فصیح زبان سے بہت متاثر ہوئے اس کی متانت اور وقار کا ان پر بڑا اثر ہوا اس کے چہرہ سے امارت اور شرافت کے آثار ظاہر تھے۔ ۔ ۔ یہاں تک کہ اکثر لوگ ایسے شریف آدمی کو آستانہ بھیجنے پر اظہار افسوس کرنے لگے وہ جانتے تھے کہ دارالسلطنت پہنچ کر اس کا بچنا ناممکن ہے الخ (خلاصۃ الکلام: ۲۹۶ ملخص)"

جنگ اور فتح کی رفتار سے غیر مطمئن ہو کر خود محمد علی حجاز کے قصد سے روانہ ہو گیا (۱۴/ شوال ۱۲۲۸ھ / ۱۰/ اکتوبر ۱۸۱۳ء خلاصہ ص ۲۹۶) اور اواخر شوال[1] میں اس نے جدہ میں قدم رکھا۔ (اکتوبر۔ نومبر ۱۸۱۳ء) اس نے آتے ہی پہلے شریف غالب کی امارت کا خاتمہ کیا (۲۰/ ذی قعدہ ۱۲۲۸ھ) اور اسے گرفتار کر کے مصر اور وہاں سے سلونیکا بھیج دیا گیا جہاں غریب دو سال کے بعد دار آخرت کو

---

[1] فلبی (۶۵) نے ورود جدہ کی تاریخ ۲۸/ اگست ۱۸۱۳ء دی ہے، اسی طرح ہارڈمان نے اواخر اگست لکھا ہے، ابن بشر نے (۱۶۳) قدوم مکہ مکرمہ کی تاریخ صرف ذی قعدہ دی ہے برک ہارٹ (ص ۲۸۱) اور برائج (ص ۶۳) ستمبر ۱۸۱۳ء لکھتے ہیں ہم نے یہاں خلاصۃ الکلام پر اعتماد کیا ہے۔ فلبی کی تاریخ واقعات کی ترتیب سے لگا نہیں کھاتی۔

سدھار گیا (اواخر رمضان ۱۲۳۱ھ / جولائی ۱۸۱۶ء / عنوان: ۱۸۵ / الرحلة الحجازیة ۸۹ برک ہارٹ ص ۲۶۲) غالب کے بھتیجے یحییٰ بن مسرور کو برائے نام امیر بنایا گیا اور تمام ملکی اختیارات، حجاز کے نئے گورنر احمد پاشا کو دیدئے گئے حجاز کو بدنام وہابیوں کے پنجہ سے نکال کر مصر کا ایک صوبہ بنا دیا گیا۔ اسی امارت کے پیچھے غالب نے کیا نہ کیا؟

"وہ کبھی وہابیوں کے ساتھ چاپلوسی سے پیش آتا، اور ان کے عقائد کی تائید کرتا کبھی قبوں کے گرانے کا حکم دیتا، کبھی موذنوں کو سلام (بعد الاذان) سے روکتا" (الرحلة الحجازیة: ۸۹)

یہ سب اس لئے کہ سعود کہیں اسے معزول نہ کر دے (خلاصة الکلام ص ۲۹۴)

سعود کا مقصد نیک تھا، اس نے غالب کی امارت قائم رکھی محمد علی خالص دنیادار تھا، اس نے قدم رکھتے ہی سب سے پہلے اسی غریب کا خاتمہ کیا۔ محمد علی نے جس عیاری کے ساتھ غالب کو گرفتار کیا ہے، اس کا حال خلاصة الکلام (ص ۲۹۵-۲۹۷) میں پڑھئے۔

برائج (ص ۶۸-۶۹) نے بھی غالب کی گرفتاری کی تفصیلات دی ہیں، جو خلاصة الکلام سے ملتی جلتی ہیں۔ غالب اور محمد علی کے باہمی نزاع پر بھی اس نے

لہ حجاز اس کے بعد ایک عرصہ تک مصر کے تابع رہا، اسی دوران میں محمد علی اور دار الخلافت کے درمیان ان بن ہوئی اور خونریز معرکے ہوے محمد علی کا بیٹا شام پر بھی قابض ہو گیا۔ اس کے بعد جب سلطان عبد المجید تخت نشین ہوا (۱۲۵۵ھ) تو حجاز براہ راست دولت علیہ کی حمایت میں آیا۔ (خلاصة الکلام ص ۳۰۸)

کافی روشنی ڈالی ہے (صفحہ ۶۹-۶۱) غالب اور محمد علی کا ذکر کرتے ہوئے ایک دوسرے موقعہ پر وہ لکھتا ہے:

"یہ توامید ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ محمد علی اور غالب جیسے پرلے درجہ کے پختہ مکار So accomplished in deceit ایک دوسرے پر اعتماد کر سکیں گے۔" (صفحہ ۴۷)

برک ہارٹ نے بھی محمد علی کی بدنیتی اور مکاری کی بار بار سخت شکایت کی (صفحہ ۲۴۲) لیکن وہ غالب کا مداح ہے، جب غالب قید ہو کر مصر پہنچا، تو برک ہارٹ وہاں موجود تھا اور اس نے غالب کی ملاقات کے تاثرات قلمبند کئے ہیں (صفحہ ۲۶۲-۲۵۹)

لیکن ابھی محمد علی اور مصریوں کی حالت کوئی ایسی قابل اطمینان بھی نہیں تھی۔ حجاز، عسیر اور یمن کے ساحلی مقامات تو آسانی سے مصریوں کے قبضہ میں آگئے، لیکن اندرونی علاقے ابھی تک نجدیوں کے زیر اثر تھے۔

مصطفی بے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا، تربہ کے مقام پر پھر جنگ ہوئی اور مصریوں کو شکست اٹھانا پڑی (اواخر ذی الحجہ ۱۲۲۸ھ/ دسمبر ۱۸۱۳ء عنوان ۱۶۳-۱۶۴) عجیب بات یہ ہے کہ نجدیوں نے یہ معرکہ ایک بہادر عورت غالیہ کی سرکردگی میں سر کیا تھا (برک ہارٹ: صفحہ ۲۶۸-۹، فلبی (صفحہ ۹۶) دحلان (صفحہ ۳) برک ہارٹ نے غالیہ کی بہادری کی توصیف میں زبان قلم کے خوب جوہر دکھائے ہیں۔

محرم ۱۲۲۹ھ (جنوری ۱۸۱۴ء) میں سمندر سے مصری کمک پہنچی اور قنفذہ کے قریب فریقین میں مڈبھیڑ ہوئی اور مصریوں کو شکست ہوئی۔ (عنوان: ۱۶۴)

سعود کی وفات ۱۲۲۹ھ ۱۸۱۴ء | ابھی نجدیوں اور مصریوں کی کشمکش اس خطرناک مرحلہ سے گزر رہی تھی اور نجدی پھر از سر نو مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ برات کا دو لہا ہی چل بسا۔ امیر سعود بن عبدالعزیز بن محمد بن سعود نے دوشنبہ، ۱۱ رجمادی الاول ۱۲۲۹ھ، (پہلی مئی ۱۸۱۴ء) کی شب کو دار آخرت کی راہ لی (عنوان: ۱۷۶) اور محمد علی پاشا کی مہم کے لئے راستہ صاف ہو گیا، اب نجد کی نئی حکومت کے پھولنے پھلنے کی توقع سردست جاتی رہی۔

سیرت سعود | ان لڑائیوں سے الگ بھی سعود ایک بے مثال، امیر، اور فرماں روا تھا، اس کی پیدائش ۱۱۶۰ھ یا ۱۱۶۳ھ میں ہوئی (البدر الطالع: ۱، ۲۶۳) شیخ الاسلام جیسا استاذ اور مربی ملا، پھر کیا تھا، علم وعمل کا نمونہ بن کر نکلا، شیخ الاسلام کے درس میں مسلسل کئی سال تک سعود نے حاضری دی اور حدیث وفقہ میں اچھی دستگاہ حاصل کی۔ اس کے خطبے اور مکتوبات زبان اور علم دونوں کی حلاوت رکھتے ہیں۔

لڑائیوں میں عام طور پر نماز مغرب کے بعد وعظ کہتا اور لوگوں کو صبر وطاعت کی تلقین کرتا۔ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام (رض) کا اسوہ پیش کر کے انھیں بہادری اور ثابت قدمی پر آمادہ کیا کرتا۔

؎ مارد تمان ۸ رجمادی الاول (۲۷ر اپریل ۱۸۱۴ء) تاریخ وفات بتاتا ہے جسے صحیح ماننے میں ہمیں تامل ہے۔ برک ہارٹ بھی مئی ہی لکھتا ہے (ص ۲۸۷) احمد دحلان ربیع الثانی ۱۲۲۹ھ تاریخ وفات بتاتا ہے جو یقینی غلط ہے۔

جنگوں میں انتہائی مخاصمت اور شدت کے باوجود بچوں، عورتوں، بوڑھوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا جاتا۔ البتہ مال میں رعایت نہیں ہوتی، لڑائی ختم ہوتے ہی "خُمس" وضع کر کے مالِ غنیمت سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جاتا، سپاہیوں میں بھی پیادہ، اور سوار کا فرق قائم رکھا جاتا "راجل" (پیادہ) کو "فارس" (سوار) کا نصف ملتا۔ خلاصہ یہ کہ جنگوں میں بحیثیت اسلامی قانون پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی۔

یہ تو رزم کا حال تھا، بزم کی کیفیت کچھ اور ہوتی تھی، اہل درعیہ نماز صبح کے بعد روزانہ کسی عام جگہ (قصر سے باہر) جمع ہوتے، امیر سعود اور آل سعود صدر نشین ہوتے۔ ان کے پہلو بہ پہلو شیخ الاسلام کے اہل خاندان ہوتے، جن کا کوئی فرد درس و وعظ کی خدمت انجام دیتا۔ صبح کی مجلس میں عام طور پر عبداللہ بن شیخ الاسلام درس دیتے، اکثر تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر کا سبق ہوتا، درس سے فارغ ہو کر وہ قصر میں جلوہ افروز ہوتا، اور عام مخلوق کی ضروریات سنتا اور ان کی شکایات دور کرتا۔ درمیان میں قیلولہ کا وقفہ ہوتا اور ظہر کے بعد قصر کے اندر درس کی مجلس مرتب ہوئی، لیکن اس وقت آل الشیخ نہ ہوتے، ظہر کے بعد ان میں سے ہر ایک کا حلقہ درس الگ الگ جمتا، اس سہ پہر کے درس میں خود امیر سعود معلم کی حیثیت سے دادِ علم دیتا۔ عام طور پر تفسیر ابن کثیر اور ریاض الصالحین کی قرات ہوتی اور سعود تقریر و شرح کرتا۔ درس سے فارغ ہو کر پھر دو گھنٹے رعایا کی شکایات و ضروریات کے سننے اور ان کی تعمیل میں مصروف رہتا۔ یہ سلسلہ عصر تک جاری رہتا۔

نمازِ مغرب کے بعد پھر قصر میں اجتماع ہوتا، اعیان و عوام سب حاضر ہوتے،

عام مجلس ہوتی، امیر سعود بھی حاضر ہوتا شیخ سلیمان بن عبداللہ بن شیخ الاسلام (مقتول ۱۲۳۳ھ) صحیح بخاری کا درس دیتے۔ ابن بشر (جو ان مجلسوں میں حاضر ہوتا رہا ہے) شیخ سلیمان بن عبداللہ کی وسعتِ نظر کا غیر معمولی طور پر مدّاح ہے۔

یہ امیر سعود بن عبدالعزیز کی اجمالی سیرت تھی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (عنوان المجد: ۱۷۶ ــ ۱۶۵)۔

سعود کے تدبّر اور جنگی صلاحیتوں کا براؤن (ص۸) خاص طور پر ذکر کرتا ہے۔

"برک ہارٹ نے اس کا خاص وصف یہ بتایا ہے کہ وہ حملوں میں رازداری اور اخفا کا بہت خیال رکھتا تھا حوران (شام) پہنچنے میں اسے ۳۵ دن لگے لیکن اس کے حملے کی خبر صرف دو دن پہلے پہنچ سکی۔" (ص۱۷)

عبدالعزیز بن سعود اور خاص کر سعود بن عبدالعزیز کے عہد میں امن و امان کا ذکر کرتے ہوئے برک ہارٹ کہتا ہے:۔

"غالباً پیغمبر عرب کے بعد پہلی بار ملک میں ایسا امن و امان قائم ہوا کہ بدوؤں کو اپنے مال ومتاع اور مویشیوں کی طرف سے بے فکر ہو کر آرام سے سونے کا موقع ملا.... الخ الخ (ص۱۳۷)

اسی طرح رعب کا یہ عالم تھا (ص۱۳۹)

کہ ایک معمولی حبشی غلام بڑے سے بڑے قبیلے کے سردار کو یکہ و تنہا گرفتار کر کے درعیہ لے آتا تھا

عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز
۱۲۲۹ھ - ۱۲۳۳ھ
۱۸۱۴ء - ۱۸۱۸ء

سعود کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا عبداللہ جانشین ہوا، یہ بہادری میں اپنے باپ سے کم نہیں تھا، لیکن حزم و سیاست میں بہت پیچھے تھا۔ اپنے کو خطرات میں گھیرا ہوا پاکر، اس نے حریف سے صلح کرنا چاہی اس حریف سے جو نجد کے ملیامیٹ کر دینے کی قسم کھا چکا تھا۔ وہ صلح کیوں کرتا، اور جب اس نے صلح بھی کی تو عہد پر قائم نہ رہ سکا۔

آئیے اب ہم میدان جنگ کی طرف پھر متوجہ ہوں۔ بحر احمر کے ساحل پر قنفذہ ان کے قبضہ میں آچکا تھا۔ اب محمد علی نے عابدین بک کو ایک بڑی فوج دیکر زھران (یمن) کی طرف بھیجا، راستہ میں قنفذہ پر مصریوں نے قبضہ کرلیا، نجدیوں کو خبر ملی، تو پھر انھوں نے قنفذہ کو دوبارہ اپنے قبضہ میں کرلیا۔ (جمادی الاول ۱۲۲۹ھ، مئی ۱۸۱۴ء) زھران (یمن) والی مہم میں بھی مصریوں کو زک ہوئی (شوال ۱۲۲۹ھ، ستمبر و اکتوبر ۱۸۱۴ء) زھران کی شکست سے فیصل بن سعود کی ہمت بڑھی، وہ ابھی تک طائف کے قریب ڈٹا ہوا تھا، اب اس نے طائف پر حملہ کی ٹھانی، اور طوسون بن محمد علی کی حالت پریشان کن ہو چلی تھی کہ محمد علی کمک لے کر آگیا اور فیصل کو پھر پیچھے ہٹنا پڑا۔ طائف کے قریب بسل میں سخت معرکہ ہوا اور مصریوں کی فتح ہوئی (آغاز ۱۲۳۰ھ اواخر ۱۸۱۴ء)

"اس بسل کے معرکہ میں پانچ ہزار سے زیادہ وہابی کام آئے ایک سر کی قیمت چھ ڈالر رکھی گئی تھی محمد علی کے سامنے لاشوں کا ڈھیر

لگ گیا (آغاز ۱۸۱۵ء)

اسی معرکے کے بعد سے وہابیوں کی قوت کمزور ہوئی انھوں نے غلطی یہ کی کہ پہاڑیوں سے نکل کر کھلے میدان میں آگئے۔ سعود کی وصیت تھی کہ مصریوں اور ترکوں سے کبھی کھلے میدان میں مقابلہ نہ کیا جائے

(برک ہارٹ: ۸-۳۱۷)

معرکۂ بسل کے بعد محمد علی نے جو مظالم ڈھائے اس کی داستان انتہائی لرزہ خیز ہے۔ برک ہارٹ جو ان واقعات کا عینی شاہد ہے، ان مظالم کی انتہائی مذمت کرتا ہے، ایک معمولی واقعہ یہ ہے کہ مقتول وہابی سپاہیوں کی لاشیں کتوں کے لئے چھوڑ دی گئی تھیں۔ (صفحہ ۳۲۳) نیز برائج (صفحہ ۹۲) محمد علی نے بڑھ کر تربہ پر بھی قبضہ کر لیا (۳ر صفر ۱۲۳۰ھ / ۱۵ر جنوری ۱۸۱۵ء)

تربہ کے بعد آس پاس کے قبائل کو مطیع کرتا ہوا وہ عسیر تک پہنچ گیا اور وہاں سے قنفذہ ہو کر مکہ مکرمہ واپس ہوا پھر ایک فوری ضرورت کی بنا پر

اسے مصر جانا پڑا (عنوان: ۱/۱۸۱) ابھی محمد علی عسیر کی مہم سے فارغ ہو کر تہامہ پہنچا بھی نہ ہوگا، کہ اس کا بیٹا مدینہ منورہ میں نجد پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگا بڑھ کر دہ قصیم کے بعض مشہور مقامات (رس وغیرہ) پر قابض ہو گیا لیکن

لہ تاریخ متن ابن بشر نے تعین نہیں کی۔ جبرتی (۴: ۲۱۸) کے مطابق فتح تربہ کی خبر مصر ۹ر ربیع الاول ۱۲۳۰ھ کو پہنچی۔ برک ہارٹ نے (صفحہ ۳۱۱) مکہ مکرمہ سے محمد علی کی روانگی کی تاریخ ۲۰ر محرم ۱۲۳۰ھ (۷ر جنوری ۱۸۱۵ء) بتائی ہے

مدینہ کے ساتھ اس کے مواصلات نجدی جتھوں کی وجہ سے منقطع ہو گئے اور پھر اُسے اپنے باپ کی کوئی خبر نہ مل سکی، جو حقیقت میں اس وقت تک مصر کے لئے رختِ سفر باندھ چکا تھا۔ محمد علی حجاز سے جیزہ (مصر) ۱۵ر رجب ۱۲۳۰ھ/۲۳ جون ۱۸۱۵ء کو پہنچا؛ جبرتی: ۴: ۲۲۰) ادھر عبداللہ بن سعود اُسے گھیر لیا، اور مصری کوئی دو مہینے اسی حال میں پڑے رہے مجبوراً صلح کی سلسلہ جُنبانی کرنا پڑی۔

صُلح اور فریب

"اور فریقین کے درمیان صُلح ہو گئی طوسون[۵۲] اور عبداللہ دونوں لڑائی ختم کرنے پر متفق ہو گئے۔ (یہ بھی طے ہوا) کہ ترک (یعنی مصری) نجد اور اس کے علاقوں سے اپنا قبضہ اٹھا لیں گے، ترکی، شام، مصر، سے نجد آنے اور جانے والوں کے لئے پورا امن ہوگا۔ اور سب کے لئے حج کی آزادی ہوگی، اور (بھوں) شرط نامے (یہجل) لکھے گئے اور ترک (مصری) رس سے پہلی شعبان کو (۱۲۳۰ھ/ ۹ر جولائی ۱۸۱۵ء) مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ عبداللہ (بن سعود) نے صلح کا خط دے کر اپنے دو آدمی (عبداللہ بن محمد بن بنیان)، اور قاضی عبدالعزیز بن حمد بن بن ابراہیم) بھی ان کے ساتھ بھیجے، کہ وہ مصر جا کر محمد علی کے

۵۱۔ برک ہارٹ (ص ۳۴۹) محمد علی کے قاہرہ پہنچنے کی تاریخ ۲۵ر جون ۱۸۱۵ء بتاتا ہے۔

۵۲۔ نذیمر (ص ۱۹۷) کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ خود محمد علی نے صلح کی درخواست کی تھی، طوسون کا وہ نام بھی نہیں لیتا۔

سامنے اسے پیش کریں، وہ لوگ مصر پہنچے اور واپس ہوئے، اور صلح مکمل ہو گئی۔" (عنوان: ۱۸۲)

کہا جاتا ہے کہ "اس صلح نامہ کی رو سے عبد اللہ نے سلطان (قسطنطنیہ) کی ماتحتی تسلیم کر لی تھی اور کسی قریبی موقع پر "آستانہ" خلافت پر حاضری کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔[1] طوسون نے بھی جواب میں نجدی علاقہ کے خالی کرنے اور نجدیوں کو حج کی پوری آزادی دینے کا وعدہ کر لیا۔" (فلبی: ۹۷) پر واقعہ یہ ہے کہ اس وقت عبد اللہ کی حالت بہتر تھی اور تمام جنوبی علاقوں سے اس کے پاس کمک آرہی تھی وہ نزاکت کو سمجھتا اور چاہتا تو مصریوں کی وقتی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان کا قلع قمع کر دیتا لیکن اس نے 'صلح' کر کے یہ زرین موقع کھو دیا، طوسون، امن و امان کے ساتھ مدینہ لوٹ گیا۔ (اواخر جون ۱۸۱۵ء برک ہارٹ ۳۴۷)

ابن بشر اور فلبی کے مندرجہ بالا بیانات بتاتے ہیں کہ طوسون اور عبد اللہ کے درمیان صلح مکمل ہو گئی تھی، ابن بشر تو یہاں تک کہتا ہے کہ عبد اللہ کے قاصد مصر سے کامیاب واپس ہوئے (عنوان: ۱۸۲) فلبی کہتا ہے کہ "محمد علی پاشا نے یہ صلح ناپسند کی اور درعیہ کی تباہی کی دھمکی

---

[1] معتمد اور معاصر مورخ (برک ہارٹ) ابن بشر اور جبرتی "دار الخلافت کی حاضری" کا بالکل ذکر نہیں کرتے ملنٹ (۲: ۲۵۸) اور فلبی وغیرہ نے شد و مد کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے پتہ نہیں ان کا ماخذ کیا ہے

دیتے ہوئے عبداللہ سے فوراً آستانہ پہنچنے کا مطالبہ کیا" عبداللہ اپنے کو ارباب حکومت کے قدموں پر ڈالنے کو تیار نہیں تھا' اس لئے وہ اپنے مطیع قبائل کو منظم کرنے اور اپنے پایہ تخت کے استحکام میں لگا رہا" (فلبی: ص ۹۷)

عبداللہ کے قاصد مصر میں

ابن بشر اور فلبی کے علاوہ جبرتی اور دوسرے مورخوں کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ صلح کی تکمیل محمد علی کی منظوری پر موقوف تھی' اور اسی غرض سے عبداللہ نے دو قاصد اس کی خدمت میں بھیجے' جو طوسون اور عبداللہ کے معاہدہ کے بعد پہلی شعبان ۱۲۳۰ھ (۹۔ جولائی ۱۸۱۵ء) کو مدینہ ہوتے ہوئے مصر روانہ ہو گئے' شوال کے آغاز میں وہ مصر پہنچے (جبرتی: ۴' ۲۲۹) اور وہ پاشا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

"لیکن پاشا کو یہ صلح خوش نہ آئی اور اس نے آنے والوں کی خاطر مدارات نہ کی' بلکہ ان کے ساتھ خشونت سے پیش آیا۔ (ر)

اور جبرتی کے بیان کے مطابق نجدی قاصدوں نے نرمی اور عاجزی کے ساتھ گفتگو کی' سعود بن عبدالعزیز کی شدت اور عبداللہ بن سعود کی نرم مزاجی کا ذکر کیا۔

جبرتی ان نجدی قاصدوں (عبداللہ بن محمد بن بُنیّان اور قاضی عبدالعزیز بن حمد بن ابراہیم) کے شوق علم اور حسن اخلاق کا شاندار الفاظ میں ذکر کرتا ہے اس وقت کے نجدیوں کا اندازہ کرنے کے لئے برک ہارٹ نے بھی سعود کے قاصدوں اور ان کے علم و فضل کی تعریف کی ہے وہ یہ بھی۔

لکھتا ہے کہ علمائے مصر ان کی گفتگو و بحث سن کر مطمئن ہو گئے (ص ۱۱۲)

معاصر اور عینی شاہد جبرتی کی رائے سننے کے لائق ہے۔

"وہ دونوں جامع ازہر ایسے وقت گئے جب کوئی صاحب تدریس وہاں موجود نہیں تھا، انھوں نے امام احمد بن حنبل کے اہل مذہب اور فقہ حنبلی کی کتابوں کے متعلق استفسار کیا۔ ان سے کہا گیا کہ وہ لوگ مصر میں بالکل ختم ہو گئے۔ اور ان دونوں نے تفسیر اور حدیث کی مختلف کتابیں (جیسے خازن، کشاف، بغوی صحاح ستہ وغیرہ) خرید لیں۔ میں ان دونوں سے دو مرتبہ ملا، میں نے ان میں اُنس، فصاحت زبان، وسعت نظر اور معلومات کی فراوانی پائی اور ان کی عاجزی، حسن خلق، ادب، تفقہ اور فقہی مسائل و اختلافات پر عبور کی تو تعریف ہی نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے ایک کا نام عبد اللہ اور دوسرے کا عبد العزیز ہے، اور دوسرا ہر اعتبار سے افضل ہے۔" (جبرتی: ۴/۲۲۹)

عبد اللہ بن سعود کے قاصدوں کا حال اور محمد علی پاشا کا ان کے ساتھ برتاؤ، دونوں کا حال آپ ایک معاصر مصری مورخ کی زبانی سن چکے، تفصیل میں پڑنے کی گنجائش نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مختلف اسباب[1] کے ماتحت، جن میں مورخوں کا اختلاف ہے، محمد علی نے صلح مسترد کر دی، طوسون کو جو ذیقعدہ تک حجاز ہی میں مقیم رہا۔ (خلاصہ ۳۰۱) مصر واپس بلا لیا گیا اوائل ذی الحجہ

---

[1] ملاحظہ ہو: ابن بشر (۱/۱۸۵) مارد تمان فلبی (۹۷) حاضر العالم الاسلامی (۴: ۱۶۶) بلنٹ (۲: ۲۵۸)

۱۲۳۰ھ (نومبر ۱۸۱۵ء) میں وہ مصر پہنچ گیا۔ اور تقریباً ایک سال کے بعد دارِ آخرت کی راہ لی۔ گو انتقال سے پہلے ہی وہ قیادت سے محروم کیا جا چکا تھا، اور ٹمان کا یہ خیال صحیح نہیں، کہ طوسون کی وفات کے بعد ابراہیم کو اس مہم کا ذمہ دار بنایا گیا۔ ابراہیم کے بھیجنے کی تجویز جنوری ۱۸۱۶ء ہی میں مکمل ہو چکی تھی۔ اور اگست ۱۸۱۶ء میں یعنی طوسون کے انتقال سے پہلے وہ قاہرہ روانہ ہو چکا تھا۔ (برک ہارٹ: ص۲۵۶) ۷ر ذی القعدہ ۱۲۳۱ھ / ۲۹ر ستمبر ۱۸۱۶ء (جبرتی: ۴/ ۲۶۴، برک ہارٹ: ص۱۰۱) ابن بشر (۱: ۱۸۵) کے مطابق عبداللہ بن سعود نے دوسرے سال ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۶ء) بھی ہدیوں اور تحفوں کے ساتھ دو قاصد (حسن بن مزروع اور عبداللہ بن عون) محمد علی کی خدمت میں مصر بھیجے اور ایکی ان بھولے بھالے لوگوں نے محسوس کیا کہ والیٔ مصر اپنے عہد سے پھر گیا ہے (وجدوہ قد تغیّر) حالانکہ محمد علی نے کبھی صلح کی تائید کی ہی نہیں، البتہ ان کے پہلے دو قاصدوں کو اس نے صاف جواب نہیں دیا تھا، اسی سے ابن بشر اور اہلِ نجد نے محسوس کیا کہ صلح مکمل ہو گئی اور ان کے قاصد کامیاب لوٹے (ورجعوا منہ وانتظم الصلح: ۱/ ۱۸۳)۔ ابن بشر (۱: ۱۸۵) مزید یہ لکھتا ہے کہ محمد علی پاشا نے بعض اہلِ بادیہ کی "وِشایت" کی بناء پر صلح ختم کر دی۔

اس سلسلہ میں یورپی معاصروں کی رائے بھی سن لی جائے:۔

---

[1] ابن بشر (۱/ ۱۸۵) آخر شوال ۱۲۳۱ھ تاریخ وفات بتاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مصر اور مصریوں کے متعلق جبرتی کے بیان کو ترجیح ہوگی۔

"... اب صرف سوال یہ رہ جاتا ہے کہ معاہدہ کی تکمیل محمد علی کی منظوری پر انحصار رکھی گئی تھی، یا طوسون نے جو مرتبہ Rank میں اپنے باپ کے برابر تھا، اس کی تکمیل کردی تھی As a thing done. بہرحال معاملہ کچھ بھی ہو اس نے صلح کر کے اپنا نقصان کیا ..."

"محمد علی نے اسے باب عالی میں محض ایک عارضی صلح Armestice بنا کر پیش کیا۔" (برک ہارٹ: ۲۵۲، برائج ص ۱۰۳)

برک ہارٹ اس گفت وشنید میں عبداللہ بن سعود کی صفائی اور صاف دلی کی تعریف کرتا ہے، اس کے خطوط بھی برک ہارٹ نے دیکھے تھے (ص ۲۵۲) برک ہارٹ اور برائج یہ بھی کہتے ہیں کہ محمد علی نے بعد میں الحسا کے زرخیز صوبے کا مطالبہ کیا اور اسی کے ایفا پر صلح نامے کی تصدیق ملتوی رکھی (ایضاً)

ابراہیم پاشا | بہرحال، حقیقت جو کچھ بھی ہو طوسون اور عبداللہ بن سعود کے باہمی معاہدے سے غیر مطمئن، محمد علی پاشا، والیٔ مصر نے اب نجد کی مہم کے لئے اپنے دوسرے بیٹے[1] ابراہیم پاشا کو نامزد کیا۔ تیاریاں طوسون کی واپسی کے بعد ہی سے شروع ہو گئی تھیں۔ البتہ ابراہیم پاشا کی روانگی ایک عرصہ تک ملتوی رہی۔ وہ ایک بڑی بھاری فوج لے کر ۶ ذی قعدہ ۱۲۳۱ھ (۲۸ ستمبر ۱۸۱۶ء؛ فلبی: ۹۸)[2] کو

---

[1] کہا جاتا ہے کہ ابراہیم پاشا، محمد علی کا لڑکا نہیں تھا، بلکہ محمد علی نے ابراہیم کی ماں سے نکاح کر کے، اسے اپنا بیٹا بنا لیا تھا (عنوان: ۱/۱۸۵؛ فلبی: ۹۸؛ ہوگارتھ: ۱۰۱)

[2] غالباً دحلان (خلاصۃ ص ۳۰۱) کا یہ بیان غلط ہے کہ محمد علی نے ابراہیم کو

ینبع پہنچا، اور سیدھے مدینہ کا رخ کیا۔ اور وہاں سے چل کر حناکیہ (پانی کا چشمہ) کے پاس ٹھیرا، آس پاس کے بدوی قبیلے مطیع ہوئے، حرب، مطیر، عتیبۃ اور عنزہ قبیلوں سے جوق جوق بدو اس کے جھنڈے کے نیچے مجتمع ہو گئے (اواخر ۱۲۳۱ھ / نومبر ۱۸۱۶ء) ابراہیم حناکیہ کے پاس مہینوں رہ گیا جس کا آس پاس کے بدو قبیلوں پر کافی اثر ہوا اور وہ ٹوٹ ٹوٹ کر ابراہیم کے پاس جانے لگے عبداللہ کو اس کا احساس ہوا اور آخر اس نے پیشقدمی کی ماویہ (پانی کا چشمہ) کے پاس مڈبھیڑ ہوئی لیکن عبداللہ بن سعود کی فوج مصری توپوں کی تاب نہ لا سکی۔ (وسط جمادی الآخر ۱۲۳۲ھ / مئی ۱۸۱۷ء) عبداللہ قصیم کی طرف پلٹا، ابراہیم نے بھی پیچھا کیا اور رس آ کر ٹھیرا (اواخر شعبان ۱۲۳۲ھ / اوائل جولائی ۱۸۱۷ء) اور تین مہینے کے محاصرہ کے بعد اہل شہر نے امان طلب کی (۱۲ ذی الحجہ / ۲۳ اکتوبر) اس طویل محاصرہ اور مسلسل چھیڑ چھاڑ میں مصریوں کے چھ سات سو آدمی کام آئے اور اہل شہر کے صرف ستر آدمی مقتول ہوئے۔ لیکن اس امان طلبی سے مصریوں کا راستہ صاف ہو گیا، اور ان کی پیش قدمی کو کوئی طاقت اب نہیں روک سکتی تھی۔

معمولی حملوں کے بعد عنیزہ اور خبرا پر قبضہ ہو گیا (اواخر ۱۲۳۲ھ) بریدہ پر بھی قبضہ میں دقت نہ ہوئی (محرم ۱۲۳۳ھ / نومبر ۱۸۱۷ء) البتہ شقراء میں نجدیوں نے دل کھول کر داد شجاعت دی، لیکن مصری فوج کے فرانسیسی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ محرم ۱۲۳۲ھ میں حجاز پہنچا برک ہارٹ (ص ۳۵۶) جبرتی (۴: ۲۶۹) اور برایج (ص ۱۰۰) سے بھی غلطی کی تائید ہوتی ہے۔

انجینیر[1] (Vaissiere.) کی ترکیبوں کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور اہل شقرا نے بھی امان طلب کی (۱۴ ربیع الاول ۱۲۳۳ھ / ۲۲ جنوری ۱۸۱۸ء[2])

اس کے بعد ایک اور فیصلہ کن جنگ ضرحی کے قریب ہوئی، نجدی علاقے میں پائے تخت درعیہ کے بعد سب سے مستحکم شہر ضرحی ہی تھا، اس سے پہلے رس اور شقراء کے باشندے بھی بہادری سے لڑے، لیکن آخر امان طلب کرنے پر مجبور ہوئے، لیکن ضرحی "عنوۃ" فتح ہوا، بازاروں اور گھروں میں باشندے قتل کئے گئے، اور تمام مال و متاع فاتحوں نے لوٹ لیا اور بلنٹ (۲: ۲۶۰) کے بیان کے مطابق عورتوں کی آبرو بھی ترکی سپاہ کے ہاتھوں محفوظ نہ رہی (۷ ربیع الثانی ۱۲۳۳ھ / ۱۴ فروری ۱۸۱۸ء) کو مصری ضرحی میں داخل

---

[1] ابراہیم کے ساتھ اس فرنچ انجینیر کے علاوہ چار ایطالی ڈاکٹر بھی تھے ان کے نام یہ ہیں:

Scoto, Gentili, To deschini, Socio,

ان میں Scoto, اس کا خاص طبیب تھا (رص ۱۱۱) (ہوگارتھ: ۱۰۱) عسیر اور یمن کی مہموں میں بھی مصری فوج میں متعدد یوروپی افسر تھے (ہوگارتھ: ۱۲۷/۲۳) برک ہارٹ طوسون کے فوج کے ایک انگریز Thomas Kieth. اور اسکی بہادری کا ذکر کرتا ہے، یہ اسلام لے آیا تھا اور ابراہیم آغا کے نام سے موسوم تھا، وہ یہاں تک کہتا ہے کہ خود عبداللہ بھی اس کی شجاعت کا مداح و معترف تھا (ص ۲۳۴)۔

[2] بلنٹ (۲: ۲۶۰) نے شقراء کے سقوط کی تاریخ ۲۲ جنوری ۱۸۱۸ء دی ہے ابن بشر اور فلبی نے تعیین نہیں کی۔ مارد تمان نے بالکل ذکر ہی نہیں کیا۔

ہوئے، یہ گویا نجدی حکومت کے زوال کا اعلان تھا۔

سعود بن عبداللہ بن محمد بن سعود اور اس کے ساتھ کچھ درعیہ کے جاں نثار شہر کے ایک قصر میں قلعہ بند ہو گئے آخر انھیں بھی امان دی گئی، اور وہ لوگ درعیہ چلے گئے، ان کے ساتھ اہل شقراء کے تین ہزار سے اوپر بچے اور عورتیں بھی تھیں۔ ان سب کو امیر عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز نے درعیہ میں پناہ دی (عنوان: ۱، ۱۹۳)

سقوط درعیہ اب ابراہیم پاشا درعیہ کے سامنے تھا، جہاں وہ چھ ماہ تک محاصرہ کیے پڑا رہا۔ روزانہ جنگ ہوتی، اور مصری بڑی تعداد میں کام آتے، لیکن وہاں آئے دن مصر سے تازہ دم کمک آتی رہتی اور یہاں درعیہ والوں کی تعداد روز کم ہوتی جاتی۔ رسد اور اسلحہ کی کمی الگ انھیں ستاتی تھی، امیر عبداللہ بن سعود اس کے اہل خاندان اور شیخ الاسلام کے بیٹے پوتے، سب بلا استثنا جی کھول کر لڑے، آخر اہل شہر نے صلح و امان طلب کی (۷ ذی القعدہ ۱۲۳۳ھ ۸ ستمبر ۱۸۱۸ء، عنوان: ۱، ۲۰۶) عبداللہ بن سعود کو اب بھی ہتھیار ڈالنے میں پس و پیش تھا، شہر کے اندر اپنے خاندانی قلعہ (طریف) میں پناہ گزیں ہو کر لڑنے لگا، لیکن قلعہ کی دیواریں بے کار ہو چکی تھیں، اور اب مدافعت بے کار تھی۔ آخر اس نے اپنے کو ابراہیم کے سپرد کر دیا (۹ ستمبر ۱۸۱۸ء مارد تمان، فلبی: ۱۰۳، ابن بشر نے[1]

---

[1] مارد تمان نے سقوط درعیہ کی تاریخ ۶ ستمبر ۱۸۱۸ء دی ہے۔ فلبی (ص ۱۰۴) دخول درعیہ کی تاریخ ۹ ستمبر بتاتا ہے۔

تاریخ کی تعین نہیں کی۔) اور یہ پہلی سعودی حکومت اور فلبی کی زبان میں "فرسٹ وہابی امپائر" (جس کی تعمیر میں شیخ الاسلام اور ان کے ہم جلیسوں کا بڑا ہاتھ تھا) کے خاتمہ کا اعلان تھا۔

عبداللہ بن سعود کا حشر صلح کے دو روز بعد عبداللہ بن سعود کو سفر کا حکم دیا گیا، تین چار آدمی اس کے اپنے بھی ساتھ رہے، امیر نجد کا قافلہ محرم ۱۲۳۴ھ (نومبر ۱۸۱۸ء) کے اوائل میں مصر پہنچا، اس کا داخلہ نہایت مضحکہ انگیز صورت میں ہوا بیچارے کو مصریوں نے تماشا بنا لیا تھا، خلاصہ یہ کہ ایک شکست خوردہ والی مملکت کے ساتھ جو کچھ بدسلوکی روا رکھی جا سکتی تھی اس میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی (جبرتی: ۱/۲۹۸؛ خلاصۃ ۳۰۲) محمد علی کی خدمت میں وہ حاضر ہوا، کچھ ضابطہ کی باتیں ہوئیں، اور ۱۹ محرم کو اسے اسکندریہ اور وہاں سے آستانہ بھیج دیا گیا، جہاں موت اس کی راہ دیکھ رہی تھی، ۱۷ دسمبر ۱۸۱۸ء[1] (۱۸ صفر ۱۲۳۴ھ) کو وہ اور اس کے ساتھی "ایا صوفیا" کے صحن میں پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ دارالخلافت میں بھی ان مقہوران بلا کو بری طرح سے گشت کرایا گیا۔

عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز بن محمد بن سعود کے ساتھ امرا نجد کا وہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، جو براہ راست شیخ الاسلام سے مستفید ہوا تھا،

---

[1] ہاردتمان Hughes (صفحہ ۶۶) نے پھانسی کی تاریخ ۱۹ دسمبر لکھی تھی ابن بشر اور جبرتی نے تاریخ کی تعین نہیں کی۔

عبدالعزیز بن محمد بن سعود اور سعود بن عبدالعزیز تو شیخ الاسلام کے باضابطہ شاگرد تھے، عبداللہ بن سعود کی عمر شیخ الاسلام کی وفات (۱۲۰۶ھ) کے وقت کم رہی ہوگی، اس لئے ممکن ہے کہ وہ باضابطہ ان کے درس سے نہ مستفیض ہوا ہو، پر اتنا متیقن ہے کہ اس نے شیخ الاسلام کا زمانہ پایا تھا۔

عبداللہ کو اطمینان سے حکومت کا موقع بالکل ہی نہیں ملا، پھر بھی درس و تبلیغ نیز انتظام حکومت میں وہ بالکل اپنے باپ اور دادا کے نقش قدم پر رہا، اور اس سلسلہ میں کوئی نئی بات قابل ذکر نہیں۔ (عنوان: ۱، ۲۰۹)

باقی لوگوں کا انجام | درعیہ کے اندر اور باہر مسلسل چھ مہینے لڑائی ہوتی رہی، ان معرکوں کی تفصیل اس کتاب کی محدود گنجائش میں نہیں آسکتی، ان واقعات کے معاصر اور شاہد ابن بشر نے پوری تفصیل دی ہے، بلکہ شہر کے مختلف مورچوں اور ان کے جائے وقوع کی بھی کافی توضیح کی ہے (عنوان المجد: ۱، ۱۹۴-۲۰۸)

اس لڑائی میں صرف آل سعود کے اکیس افراد شہید ہوئے۔ ان میں سے ممتاز اشخاص کے نام یہ ہیں:۔ ۱ فیصل بن سعود، ۲ ابراہیم بن سعود، ۳ فہد بن عبداللہ بن عبدالعزیز، ۴ فہد بن ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود، ۵ محمد بن حسن بن مشاری بن سعود، ۶ ابراہیم بن حسن بن مشاری، ۷ عبداللہ بن حسن بن مشاری، ۸ عبدالرحمن بن حسن بن مشاری، ۹ عبداللہ بن ابراہیم بن حسن بن مشاری، ۱۰ ابراہیم بن عبداللہ بن فرحان، ۱۱ عبداللہ بن ناصر بن مشاری، ۱۲ محمد بن عبداللہ بن محمد بن سعود، ۱۳ سعود بن عبداللہ بن محمد بن سعود، ۱۴ محمد بن سعود بن عبداللہ بن محمد بن سعود اور آل الشیخ میں سے مندرجہ ذیل اشخاص شہید کئے گئے۔

سلیمان بن عبداللہ بن الشیخ، علی بن عبداللہ بن الشیخ، محمد بن عبدالرحمن بن حسن بن الشیخ۔ ان میں سے سلیمان بن عبداللہ کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور پورے جسم کی تکا بوٹی کی گئی اللہ رے جوش انتقام (عنوان: ۱، ۲۱۰)

آل سعود اور آل الشیخ کے علاوہ مندرجہ ذیل علماء اور اعیان شہید ہوئے، ان میں سے بعضے میدان جنگ میں کام آئے اور اکثر سنگینوں، بندوقوں اور مختلف قسم کی اذیتوں کا شکار ہوئے:۔

علی بن حمد بن راشد عرینی، قاضی خرج، صالح بن رشید الحربی، عبداللہ بن صقر الحربی، رشید السردی، عبداللہ بن احمد بن کثیر، عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن سویلم حمد بن عیسٰی بن سویلم محمد بن ابراہیم بن سدحان (۱: ۲۰۸)

ان مقتولین کے علاوہ بعضے مشہور اہل علم کے ساتھ ابراہیم پاشا انتہائی بدتمیزی سے پیش آیا۔ "قاضی احمد بن رشید الحنبلی، مدینہ کے مشہور عالم امیر عبداللہ کے ہاں مقیم تھے، زدوکوب سے ان کی تواضع کی گئی اور تمام دانت اکھاڑ ڈالے گئے" (عنوان: ۱، ۲۰۸)

یہ قاضی احمد بن رشید، جن کا پورا نام احمد بن حسن بن رشید ہے، احساء کے رہنے والے اور فقہ حنبلی کے مشہور عالم تھے، عام طور پر الحنبلی کے نام سے شہرت تھی۔ پہلے یہ شیخ کی دعوت کے مخالف تھے، پھر مؤید ہو گئے، مدینۃ الرسول کا جوار پسند آ گیا تھا، وہیں متوطن ہو گئے تھے، بڑی عمر پا کر وہیں وفات پائی (۱۲۴۹ھ) السحب الوابلۃ (ص ۳۵-۳۳) میں ان کا مفصل ذکر ہے لیکن ان کے

قبول دعوت کی السحب کے مصنف نے عجیب وغریب تاویلیں کی ہیں۔

اسی سلسلہ میں شیخ عبدالعزیز الحصین ناصری (م ۱۲۳۷ھ) جیسے ضعیف عالم اور بزرگ کے ساتھ بدسلوکی کا قصہ بھی آتا ہے، فتح شقرا کے وقت شیخ عبدالعزیز الحصین بھی وہاں تھے، ابراہیم پاشا نے انھیں اپنی مجلس میں بلوایا، ضعیفی کے وجہ سے وہ خود نہ آسکتے تھے، مجبوراً لوگ انھیں اٹھا کر لائے (فجئ بہ محمولاً) انھوں نے آتے ہی مسنون طریقہ پر:

سلامٌ علیک یا ابراہیم،

کہا، مصری پاشا کی پرغرور پیشانی پر شکن پڑگئی۔ اور وہ شیخ عبدالعزیز کا تمسخر کرنے لگا۔ شیخ نے نصیحت شروع کی، اور 'عفو' کی چند آیتیں پڑھیں۔ تو پاشا نے کہا: "جا، بڈھے میں نے تیرا قصور معاف کیا" (عنوان: ۱، ۱۹۱)

یہ وہی شیخ عبدالعزیز ہیں، جو شیخ الاسلام کے خاص شاگرد تھے، اور خود ان کی زندگی میں دو مرتبہ (۱۱۸۵ھ، ۱۲۰۴ھ) 'وفد' کی حیثیت سے حجاز بھیجے گئے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (پہلا باب)

اس دار و گیر سے جو خوش نصیب بچ کر نکل سکے۔ ان میں ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود (جس کے ہاتھ آگے چل کر نجدی حکومت کی تجدید ہوئی) اور شیخ علی بن حسین بن شیخ الاسلام خاص طور پر قابل ذکر ہیں آل سعود کے بعض افراد اس وقت تو بچ کر نکل گئے اور جب پھر وہ درعیہ لوٹے تو مصری حاکم نے انھیں پکڑ کر مصر بھیج دیا (۱۲۳۶ھ خلاصۃ ص ۳۰۳) ان کے علاوہ آل سعود اور آل الشیخ کے باقی ماندہ افراد مع اہل وعیال کے مصر بھیج دیے گئے،

جہاں یہ غریب الوطن عرصہ تک مقیم رہے بعض وہیں لقمۂ اجل بنے اور اکثر حالات سازگار ہونے پر اپنے وطن کو واپس ہوئے[۱] غریب الوطنوں کا یہ قافلہ ۱۸ رجب ۱۲۳۴ھ (۱۳ مئی ۱۸۱۹ء) کو مصر پہنچا، ان کی تعداد عورت، مرد اور بچوں کو ملا کر چار سو کے قریب تھی۔ (جبرتی: ۴، ۳۰۳)۔

درعیہ کی بربادی | درعیہ پر قبضہ ذی قعدہ ۱۲۳۳ھ کے اوائل میں ہوا، لیکن اس کی تباہی و بربادی کا سلسلہ تقریباً ایک سال تک جاری رہا، خود ابراہیم پاشا کوئی نو مہینے وہاں رک گیا۔ روز نیا حکم جاری ہوتا اور اس کی پابندی کرائی جاتی، جب تمام مرحلے طے ہو گئے، تو پھر آخر میں ایک ایسی ضرب لگائی گئی جس سے آل سعود کا یہ پہلا پایہ تخت پھر نہ پنپ سکا۔

شعبان ۱۲۳۴ھ (جون ۱۸۱۹ء) میں محمد علی پاشا کا حکم پہنچا اور اس کے مطابق لائق بیٹے (ابراہیم) نے درعیہ کی بربادی کا حکم دیا۔ پھر کیا تھا:

"مصری فوج نے سارا شہر کھود کر پھینک دیا۔ تمام باغ و نخلستان جڑ سے کاٹ ڈالے، بوڑھے، بچے، کمزور اور بیمار سب یکساں عتاب کا شکار ہوئے۔ گھروں میں آگ لگا دی گئی اور چند روز میں لہلہاتا ہوا باغ جل کر خاک بھسم ہو گیا۔۔" (عنوان: ۱، ۲۱۳، تاریخ نجد آلوسی، ص ۲۴-۲۶ ملخص)

---

[۱] ان ہی واپس ہونے والوں میں نجد کے دو مشہور عالم شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ الاسلام (ملاحظہ ہو: پہلا باب) اور ان کے صاحبزادے شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن (پہلا باب) بھی تھے۔

یہ مصریوں کے جنون انتقام کا سب سے بدترین مظاہرہ تھا۔ یہ وہ درعیہ ہے، جو شیخ کی دعوت سے پہلے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ شیخ کی دعوت نے اسے مرکزیت بخشی اور آل سعود کی کوششوں اور حوصلہ افزائیوں سے تھوڑے عرصہ میں ایک آباد اور خوش حال شہر بن گیا۔ ابن بشر درعیہ کی خوش حالی، رونق اور تجارتی مرکزیت کا شاندار لفظوں میں ذکر کرتا ہے، اس سلسلہ میں اس کے اپنے چشم دید تاثرات خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ (عنوان: ۱/ ۲۱۶)

سرکار برطانیہ کی مبارکباد اور امداد کی پیش کش

درعیہ کو خاک سیاہ کرنے کے بعد ابراہیم نجد کے علاقے سے واپس ہوا چاہتا تھا کہ ہماری سرکار کے ہندوستانی افسروں کو ایک عجیب تجویز سوجھی، انھوں نے ابراہیم کو مبارکباد دینے کے لئے ایک خاص وفد کپتان جارج فارسٹر سیڈلیر ( ) کی ماتحتی میں روانہ کیا۔

اس مبارکباد کی تہ میں جو جذبہ کام کر رہا تھا، اس کے سمجھنے کے لئے یہ حقیقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ کمپنی کی حکومت خلیج فارس کے ساحل پر اپنا اثر و اقتدار بڑھانے کے لئے عرصہ سے کوشاں تھی۔ نجدی اقتدار ساحل پر[1]

---

[1] یہاں پر یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ساحل پر نجدی اثر بڑھتے ہی برطانی افسروں نے نجدیوں سے بھی خط ملا پید اکرنے کی کوشش کی تھی، بصرہ کے برطانی ریزیڈنٹ Manesty, Reinand نے ۱۷۹۹ء میں کو خاص اسی غرض سے درعیہ بھیجا تھا، اور اس وقت اسے عارضی کامیابی بھی ہو گئی تھی۔ ہوگارتھ (حاشیہ صفحہ ۱۰۴)

بڑھا تو بحری تاخت کی رفتار تیز ہو گئی اور تجارتی جہازوں کو نقصان پہنچنے لگا۔ اس بحری قزاقی (قرصنۃ Piratic) کا خاتمہ کرنے کے لئے حکومت بمبئی نے قرصان کے مرکز راس الخیمہ پر حملہ کیا اور اسے جلا کر خاک سیاہ کر دیا (۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء) جس کا ذکر ابھی آ چکا ہے۔

اب جو کمپنی کی حکومت کو مصری فتوحات اور نجدیوں کی تباہی کی خبر ملی، تو اس کے دل میں خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں اس نئی طاقت کے ہاتھوں بھی اس کے اقتدار کو صدمہ نہ پہنچے۔ درعیہ کے قبضہ کے ساتھ ہی کچھ ایسے واقعات پیش آئے، جن سے ان کے خیال کی اور تقویت ہوئی۔ مصری فوجی دستے خلیج فارس کے ساحلی علاقوں پر تنگ و تاز کرنے لگے، اور اس میں انھوں نے برطانوی حلقۂ نفوذ و اثر کا احترام بھی ملحوظ نہیں رکھا۔ برطانی افسر اپنے نجدی حریفوں کی بربادی پر تو بہت خوش تھے لیکن مصریوں کے ہاتھوں اس ناروا برتاؤ کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔ (فلبی: ۱۰۳) فوراً کپتان ج۔ ف ۔ سیڈلیر کو ابراہیم پاشا کی خدمت میں درعیہ بھیجا گیا۔ اصل میں برطانی افسروں کو مصریوں کے غرض و غایت کے متعلق غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ خلیج فارس تو کجا مصری نجد پر بھی دائمی قبضہ یا حکومت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ درعیہ کی فتح کے ترنگ میں ممکن ہے، انھوں نے آس پاس کے علاقوں پر دستے بھیجے ہوں، لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ پائیدار اور منظم حکومت قائم کرنے کا ارادہ انھوں نے کبھی نہیں کیا، اور یہی وجہ ہے کہ ابراہیم پاشا درعیہ کو تباہ کرنے کے بعد، سارے علاقے کو عام ابتری کی حالت میں چھوڑ کر مصر روانہ ہو گیا۔

خیر اب آیئے، ذرا سیڈلیر کے مشن کی سرگزشت ایک واقف کار کی زبانی سنیئے:-

"مصریوں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ، کسی طرح کا مشورہ کئے بغیر، بمبئی سے ۱۸۱۹ء (۱۲۳۴ھ) کے موسم گرما میں ایک برطانی جنگی جہاز خلیج کو بھیجا گیا۔ اس پر سرکار His majesty, کی سینتالیسویں Forty seventh, رجمنٹ کا (افسر) کپتان ج۔ ف۔ سیڈلیر بھی ایک خاص قاصد Emissary, کی حیثیت سے ساتھ تھا، اس کی مہم "ابراہیم کو درعیہ کے زیر کرنے پر مبارکباد دینا" اور "پاشا" His Excellency, سے مل کر وہابی طاقت کے مکمل استیصال کا مناسب انتظام کرنا تھی۔

اس افسر کے ہدایت نامے کے مزید فقرے یہ ہیں۔

"اگر، جیسا کہ غالباً صورت حال ہو، پاشا، برطانی حکومت کی امداد سے فائدہ "اٹھانا چاہے" ایک مکمل اور مضبوط بحری فوجی طاقت جلد از جلد بھیجی جائے گی" "ترکوں" کو راس الخیمہ پر قبضہ دلا دیا جائے گا . . . " الخ

"لیکن تاریخ میں بہت کم خفیہ مشن ایسے ناکام ہوئے ہوں گے، جیسا کہ سیڈلیر مشن کی قسمت میں لکھا تھا۔"

تفصیل بہت لمبی ہے، خلاصہ یہ کہ سیڈلیر عرب کے ساحل پر اس وقت اترا، جب ابراہیم درعیہ کی بربادی سے سیر ہو کر وطن کی واپسی کا ارادہ

کر رہا تھا۔ بتانے والوں نے اسے بتایا کہ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ "اس سے ملاقات کس مقام پر ہو سکے گی" یہ ۲۸ر جون ۱۸۱۹ء کو روانہ ہوا۔ درعیہ کے پاس سے گزرتا ہوا شقراء پہنچا۔ وہاں سے رس آیا، یہاں اسے ابراہیم کی فوج تو ملی لیکن خود پاشا، مدینہ کے لئے رخت سفر باندھ چکا تھا۔ ابراہیم کو اس کی آمد کی اطلاع تھی۔ لیکن وہ کوئی ایسا ملنے کا مشتاق نہیں تھا کہ اس کا انتظار کرتا۔ آخر مدینہ کے قریب پاشا کی خدمت میں ۸ر اور ۹ر ستمبر کو باریابی ہوئی،

پاشا نے گفتگو تو اخلاق سے کی لیکن کسی قسم کا وعدہ نہیں کیا۔ اور برطانی قاصد ناکام واپس آیا۔ البتہ اس نے اس تین مہینے کی بادیہ گردی سے ایک بڑا امتیاز حاصل کر لیا۔ یہ پہلا یوروپی تھا جس نے جزیرۃ العرب کو ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک عبور کر لیا۔ (تفصیل کے لئے ہوگارتھ ص ۱۱۱-۱۰۴)

درعیہ مصریوں کے ہاتھوں ایسا برباد ہوا کہ پھر نہ آباد ہو سکا، یہ تباہی ایسی حوصلہ شکن تھی، کہ ایک عرصہ تک نجدیوں کے پنپنے کی کوئی امید نہیں دکھائی دیتی تھی، بلنٹ (۲: ۲۶۸) نے ۱۸۸۰ء میں اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔

"عرب میں سعودی خاندان کے اقتدار کو اب قصہ ماضی سمجھنا چاہئے"

Daughty, (۲: ۴۲۵) ۱۸۷۵ء میں اہل نجد کی عام رائے نقل کرتا ہے:

"اب وہابی حکومت دوبارہ زندہ نہیں ہونے کی کم از کم نجد میں یہی خیال کیا جاتا ہے"

اسی طرح زویمر (ص ۱۹۱) نے ۱۹۰۰ء میں یہ رائے ظاہر کی:

"اس تحریک کا خاتمہ انتہائی ناکامی پر ہوا اور سیاسی طور پر یہ ایک

"خاندار ڈھونگ ثابت ہوئی"۔ دوسری جگہ بحوالہ فلبی[۱] : ۱۹۰۲ء "یہ "مبصر" لکھتا ہے:

"عرب میں سعودی خاندان کے اقتدار کو اب 'قصہ ماضی' سمجھنا چاہئے"

لیکن یہ خیال غلط نکلا جزیرۃ العرب کی امانت پھر انھیں نجدیوں کو ملی، اور پہلے سے زیادہ وسعت و اقتدار کے ساتھ۔ ہاں، درعیہ پھر نہ بن سکا، نجدی حکومت کی نشات ثانیہ درعیہ میں نہیں بلکہ اسی علاقہ کے دوسرے مقام ریاض میں ہوئی، اور اب وہی ان کا پایہ تخت ہے۔

درعیہ کا مرثیہ درعیہ جاں گداز فاجعہ کا اہل نجد اور ان کے ہمدردوں پر جو کچھ اثر ہوا ہوگا، اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں، رونے والے اپنے اپنے مقدور اور ظرف کے مطابق خون کے آنسو روئے ہوں گے، ہم ذیل میں صرف ایک 'مرثیہ' کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مرثیہ نجد کے مشہور عالم حمد بن ناصر بن معمر (م ۱۲۲۵ھ پہلا باب) کے بیٹے عبدالعزیز بن حمد بن ناصر (م ۱۲۴۴ھ) کا لکھا ہوا ہے، گو اس میں شریف رندی کے مرثیہ سقوط طلیطلہ

---

[۱] فلبی (ص ۱۶۱) کو حیرت ہے کہ زویمر کا یہ ریمارک اس کی کتاب کے بعد (۱۹۱۲ء کے) ایڈیشن میں بھی اسی طرح قائم ہے۔ یہاں پر یہ ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ ہوگارتھ (ص ۸۰) نے ۱۹۰۴ء میں اس تحریک کے 'پنپنے' اور دوبارہ بڑھنے کی توقع ظاہر کی تھی، ۱۹۰۲ء میں ابن سعود ریاض پر قابض ہو چکا تھا، اس لئے یہ پیشین گوئی کوئی ایسی قابل تعریف بھی نہیں، البتہ زویمر کا جہل حیرت انگیز ہے۔

یا سعدی کا نوحہ بغداد کا زور نہیں ہے، پھر بھی اس میں درد ہے اور ایک دیندار قوم کے صبر و شکر کا آئینہ ہے (عنوان: ۲، ۳۴) مرثیہ کا مطلع یوں ہے:۔

إلیك إله العرش أشكو تضرعا ‏ ‏ وأدعوك في الضراء ربي لتسمعا

نمونہ کے طور پر دو چار شعر اور درج ہیں۔

وکم قتلوا من عصبة الحق فتیة ‏ ‏ هداة وضاة ساجدین وركعا

وکم دمروا من مربع کان آهلا ‏ ‏ فقد ترکوا الدار الانیسة بلقعا

مضوا وانقضت أیامهم حین أوردوا ‏ ‏ ثناء وذکر الطیبة قد تضوعا

فجازاهم الله الکریم بفضله ‏ ‏ جنانا ورضوانا من الله أرفعا

ألا یا أیها الاخوان صبرا فإنني ‏ ‏ أری الصبر للمقدور خیرا وأنفعا

ولا تیأسوا من کشف ما نابنا فإنه ‏ ‏ إذا شاء ربي کشف ذاك تقشعا

درعیہ کی تباہی کے ساتھ (سنہ ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۹ء) شیخ کی تربیت کردہ اور اصلاح یافتہ نجد کی سیاسی برتری ختم ہو جاتی ہے۔ نجد جدید[1] اور اس کی ترقی ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہے اس لئے نجدی حکومتوں کا قصہ چھوڑ کر ہمیں اب شیخ اور ان کے تصنیفات کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

ہاں اس سلسلہ میں نجدی اور مصری لشکر کا باہمی فرق اور محمد علی اور

---

[1] نجد کی تاریخ کے تین دور ہو سکتے ہیں:۔

ابراہیم پاشا کے مزاج و اخلاق کے متعلق بھی دو حرف عرض کر دیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہو۔

مصری فاتح

مصریوں اور نجدیوں کے درمیان عرصہ تک جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری رہا۔ شروع شروع مصریوں کو کافی زک اٹھانا پڑی لیکن نجدیوں نے اسلامی قانون حرب کی خلاف ورزی کبھی نہیں کی اور ان کی سپاہ کی شدت اور تقشف کے متعلق جو کچھ کہا جائے پر اخلاقی کمزوریوں اور فسق و فجور کی مثالیں نہیں پیش کی جا سکتیں۔ رہے محمد علی اور ابراہیم اور ان کے ساتھی

حاشیہ صفحہ گزشتہ:-

(۱) درعیہ کی سربلندی سے لیکر ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۹ء تک جب کہ مصریوں کے حملوں اور درعیہ کی تباہی کے باعث ان کی قوت تتر بتر ہو گئی۔

(۲) ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود (۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء تا ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۴ء) اور فیصل بن ترکی (۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۴ء — ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء اور ۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء تا ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء) کی بازیابی کی کوششوں سے شروع ہو کر ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء تک جب کہ محمد بن عبداللہ آل الرشید (۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۹ء — ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء) امیر حائل نے حائل اور ریاض، نجد کی دونوں ریاستوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے مجتمع کر لیا۔

(۳) تیسرا زرین دور (فلبی کی زبان میں سکنڈ وہابی امپائر) ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء سے شروع ہوتا ہے جب کہ موجودہ فرمان روا عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن فیصل بن ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود نے آل الرشید سے ریاض واپس لے لیا۔

تو افسوس کہ ان کے رویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں "اسلامیت" چھو نہیں گئی تھی اور پتہ چلتا ہے کہ تیرھویں صدی ہجری کے آغاز میں عام طور پر مسلمان انحطاط کی کس حد تک پہنچ چکے تھے۔

نجدی اور مصری فوجوں کا باہمی فرق معلوم کرنے کے لئے 'جبرتی' کا مندرجہ ذیل بیان کافی ہوگا۔ محرم ۱۲۲۷ھ کے حوادث میں مصریوں کی شکست سے بحث کرتے ہوئے' ایک مصری فوجی افسر (لقد قال لی بعض اکابرھم) کی زبانی لکھتا ہے۔

"ہمیں فتح کیسے نصیب ہو؟ ہماری فوج کا بڑا حصہ بے دین ہے' کسی آئین کی پابندی نہیں' بکس کے بکس مسکرات سے بھرے ہوئے ساتھ ہیں' ہماری چھاؤنی میں اذان کی آواز سنائی نہیں دیتی ان کے دلوں میں دین اور شعائر دین کا خیال بھی نہیں آتا۔ اور یہ قوم (یعنی نجدی' عربی تعبیر والقوم ہے) وقت ہوتے ہی اذاں دیتی ہے اور ایک امام کے پیچھے خشوع اور خضوع کے ساتھ صف بندی کرتی ہے۔

اگر جنگ کے دوران میں کہیں نماز کا وقت آگیا' تو موذن

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :-

[دیکھو Mordtmann مقالات ابن الرشدد ابن سعود مندرجہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام]

اذاں دیتا ہے اور سب نماز خوف پڑھتے ہیں۔ ایک جماعت جنگ کے لئے آگے بڑھتی ہے پھر دوسرا گروہ نماز کے لئے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور ہماری سپاہ حیرت سے منہ تاکتی ہے ان بے چاروں نے دیکھنا تو درکنار سنا بھی نہیں۔"

(جبرتی : ۴ : ۱۴۰)

ہم اپنے قلم کو ان کی برائیوں کے تذکرے سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے، جو اس مصری فوجی افسر کے بیان کے مطابق مصری فوج نے بدر اور اس کے نواح میں روا رکھی تھیں، اتنا اشارہ کر دینا کافی ہوگا، کہ اہل علم اور شرفاء کے گھروں کی بھی آبرو برقرار نہیں رہی تھی (دیکھو جبرتی : ۴ : ۱۴۰]

یہ تو ایک فوجی افسر کا بیان تھا جبرتی کی اپنی روایت بھی ملاحظہ ہو رمضان ۱۲۳۳ھ کے 'حوادث' میں لکھتا ہے۔

" خشکی اور سمندر کی راہ سے فوجیں تین دفعات میں آگے پیچھے شعبان اور رمضان کے مہینوں میں روانہ ہوئیں .... اور ان لوگوں نے سفر کا عذر کر کے روزے نہیں رکھے ان کی بڑی تعداد بازاروں میں بیٹھ کر کھاتی پیتی ہے (یہ لوگ) ہاتھوں میں تمباکو کا ناریل لئے ہوئے بے شرمی

کے ساتھ سڑکوں پر گھومتے رہتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسلام کے مخالفوں اور کفار سے جہاد اور غزوہ کے لئے جا رہے ہیں۔ (۴: ۲۸۹)

جب دین اور دینی نظام کے احترام کا یہ عالم تھا تو پھر درعیہ کی بربادی اور نجد پر قبضہ کے بعد ابراہیم پاشا کا دماغ پھر گیا تو اس پر تعجب کیوں ہے؟ جبرتی فاتح نجد کی انانیت اور تکبر کا شاکی ہے:

"اس "غیبت" کے بعد ابراہیم پاشا اپنے کو بہت بڑا سمجھنے لگا ہے، اور اس کے غرور کی کوئی حد نہیں رہی حتی کہ جب علماء (مشایخ) اس کے پاس سلام کرنے اور تشریف آوری پر مبارکباد دینے گئے ... تو وہ ان کی تعظیم کے لئے کھڑا نہیں ہوا اور ان کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا، آخر وہ لوگ بیٹھ گئے اور خیر و عافیت پر مبارکباد پیش کرنے لگے، تو اس نے اشارہ سے بھی جواب نہیں دیا، بلکہ ایک دوسرے شخص سے ہنسی مذاق کی باتیں کرتا رہا۔ وہ بیچارے رنجیدہ ... ہو کر لوٹ گئے۔

(جبرتی: حوادث صفر ۱۲۳۵ھ ۴: ۳۰۶)

ہوگارتھ (ص ۱۰۱) نے ابراہیم کی سیرت کا نہایت اچھا خاکہ کھینچا، طوالت کے خوف سے ہم اسے نظر انداز کرتے ہیں۔

محمد علی کی مکاری اور مظالم

محمد علی پاشا کے مظالم کو ہم یہاں دھرانا نہیں چاہتے برک ہارٹ (جس نے محمد علی کے عہد حکومت میں حجاز اور جزیرہ عرب کی سیاحت کی تھی اور جسے وہابیوں کے ساتھ کوئی خاص ہمدردی بھی نہیں) نے اس کے مظالم کی مفصل داستان لکھی ہے (۳۵۲)

۳۲۳، ۳۱۷، ۳۱۸، ۲۸۲) جو مستند اور قابل وثوق ہے، بعض مبصر ابراہیم کے 'غدر' اور 'مکر و فریب' کی بھی ساری ذمہ داریاں محمد علی ہی کے سر ڈالتے ہیں:

"جس بے رحمی اور دغابازی کا برتاؤ معزول بادشاہ اور عام وہابیوں کے ساتھ کیا گیا، اس کا الزام بھی ابراہیم سے زیادہ محمد علی کے سر عائد ہوتا ہے۔ (ہوگارتھ: ۱۰۳)

برک ہارٹ اور برائجس محمد علی کی 'رشوت ستانی' کا بار بار ذکر کرتے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق 'بدوؤں' کو رشوتیں دے کر محمد علی نے کامیابی حاصل کی:

"مصریوں کی طرف، بدوؤں کی ہمدردی مبذول کرنے میں رشوت کا بہت دخل تھا۔ (ص ۵۹، ۸۲)

ان دونوں نے محمد علی کے مظالم اور بے رحمانہ قتل کی بھی کافی مثالیں دی ہیں ایک دوسری جگہ برک ہارٹ لکھتا ہے:

"محمد علی نے اپنے پاہیوں کی طاقت سے زیادہ روپیہ کے ذریعہ عرب پر اپنی دھاک بٹھائی" (۲-۲-۲۰۲، برائجس ص ۱۱۹)

ان کے مقابلہ میں نجدی وہابیوں کے بارے میں ایک عینی شاہد (مشہور اسپینی سیاح Badia عرف علی بے عباسی کا بیان سنیئے جو نجدیوں کے قبضہ کے وقت مکہ مکرمہ میں موجود تھا،

"جب تک وہ یہ نہ جان لیں کہ فلاں چیز دشمن یا مشرک کی ہے اسے ہاتھ نہیں لگاتے اور زبردستی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ تمام چیزیں قیمت دے کر خرید تے رہیں، اسی طرح ہر خدمت کی اجرت

ادا کرتے ہیں اپنے سردار کے اندھے اطاعت شعار ہونے کی وجہ سے، اس کے احکام کی تعمیل میں ہر مشقت برداشت کرنے کو تیار رہتے ہیں"۔ . . . (ہوگارتھ ۷۸)

علی بے سے بھی زیادہ، محقق سیاح برک ہارٹ جو ۱۸۱۴ء میں (یعنی محمد علی کے قبضہ کے وقت) مکہ پہنچا تھا، اور جس کی کتابیں اس کے صحت بیان اور وقت نظری کی شاہد ہیں، لکھتا ہے:

"وہابی اقدام کی تہ میں بری رسموں کے ختم کرنے کی زبردست مخلصانہ خواہش کام کر رہی تھی۔ غدار سے غدار دشمنوں سے بھی انھوں نے وعدہ شکنی نہ کی۔ اگر ترکوں سے ان کے طریقہ کا مقابلہ کیا جائے تو ہمیں ترکوں کی تمام وہ مہلات گنانا پڑیں گی، جن میں وہ آلودہ ہیں"۔ (ہوگارتھ: ص ۷۹)

برک ہارٹ کی پوری کتاب میں سعود اور عبد اللہ کے لئے تعریف کے سوا کچھ نہیں۔

(جلد دوم ص ۱۸۰-۱۲۰)

تیسرا باب

تصنیفات | امام سید جمال الدین افغانی (م ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء) کے متعلق ایک مبصر[1] نے کہیں لکھا ہے:

"انھیں تصنیف وتالیف سے خاص دلچسپی نہیں تھی، وہ کتابوں کے مولف نہیں تھے، بلکہ حکومتوں اور قوموں کے مصنف تھے (وانما کان مؤلف اُمم (و مصنف ممالک)

شیخ الاسلام کے متعلق بھی یہ فقرہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ دہرایا جاسکتا ہے۔ پھر بھی تبلیغ ودعوت کے سلسلہ میں شیخ نے جو کچھ لکھا، وہ کچھ ایسا کم بھی نہیں ہے، نیز علمی لحاظ سے بھی اس کا پایہ بلند ہے، ان کی تحریروں میں متکلمانہ موشگافیاں اور دور از کار باتیں نہیں ملیں گی، وہ ٹھیٹھ محدثانہ طریقہ پر لکھتے ہیں، جو بات کہی، دوٹک، سیدھے سادھے الفاظ میں، کتاب وسنت کے نصوص سے آراستہ وپیراستہ اور بس۔

---

[1] امیر شکیب ارسلان (حاضر العالم الاسلامی: ۲، ۳۰۱) اصل عبارت یوں ہے: وبالجملة فانه لم یکن یحفل بی فرح التصانیف، وانما کان مؤلف امم ومصنف ممالک۔

ان کی تصنیفات کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر یونان اور یونانی علوم کی ہلکی سی پرچھائیں بھی نہیں پڑی۔ ہمارے ہاں ہندوستان کے بڑے سے بڑے مجددین امت کی کتابیں بھی یونانی گورکھ دھندے سے یکسر پاک نہ رہ سکیں۔ شیخ کا طریقہ' بالکل قرآنی ہے اور ان کی دلیلیں جزو کل قرآن وحدیث سے ماخوذ ہوتی ہیں۔

دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے ہاں تصوف کی اصطلاحات بھی ناپید ہیں۔ ویدانت اور نوافلاطونی فلسفہ کے اس معجون مرکبہ نے (جس کا نام لوگوں نے 'تصوف' رکھ چھوڑا ہے) اسلام کی بنیادیں کھوکھلی کر ڈالیں اسلامی ہند کے مجددین نے یہ بڑی غلطی کی کہ وہ اس افیون کا استعمال کراتے رہے' افیون' بہر حال افیون ہے' آپ اس کے لاکھ 'بدرقے' استعمال کرائے' اس کے برے اثرات بہر حال اعضائے رئیسہ کو تباہ کرتے جائیں گے' نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے مسلمان آج تک اس "مایا جال" سے نہ نکل سکے' لیکن شیخ الاسلام کے صحیح علاج اور اس افیون سے مکمل پرہیز کے باعث نجد اور نواح نجد کے مسلمان اس گورکھ دھندے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل گئے۔

جہاں تک شیخ کے طرز بیان کا تعلق ہے' اس میں کوئی الجھاؤ نہیں البتہ زبان اور انشاء امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) ابن قیم (م ۷۵۶ھ) اور شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ) کی طرح بہت بلند نہیں۔

لیکن ان کی تحریروں میں ایک دوسری انمول چیز ہے' جو پورے اسلامی لٹریچر میں خال خال نظر آتی ہے اور آٹھویں صدی کے بعد تو بالکل عنقا

ہو گئی تھی۔ آپ اجازت دیں، تو ہم اقبالؒ کی زبان میں اسے "نفس" سے تعبیر کریں، ان کی ہر سطر تاثیر میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے، شاید یہ اس دینی تڑپ کا اثر ہو، جس نے انھیں عمر بھر بے قرار رکھا، آخر ان میں کوئی چیز تو تھی، جس نے آن کی آن میں نجد اور اس کے نواح کی کایا پلٹ کر دی۔ خلاصہ یہ کہ ان کی چھوٹی بڑی تمام کتابوں اور خاص کر رسائل میں یہ تاثیر زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

ہمیں شیخ کی حسب ذیل تالیفات کا علم ہو سکا ہے:

(۱) کتاب التوحید۔ شیخ کی تصنیفات میں یہ رسالہ سب سے زیادہ مشہور ہے جس طرح ہندوستان کے خوش فہموں میں تقویۃ الایمان بدنام ہے، اسی طرح عرب وعجم کے اکثر خوش عقیدہ لوگوں میں کتاب التوحید بھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی۔ اس کا پورا نام کتاب التوحید الذی ھو حق اللہ علی العباد ہے۔ اس میں شیخ نے توحید کی حقیقت، اس کے حدود، شرک اور اس کی خرابیاں، اور اس میں ابتلا کے تمام راستوں (استفادہ استغاثہ، توسل، دعا، نذر، ذبح، سحر، کہانت، فال وغیرہ وغیرہ) کو کھول کھول کر بیان کیا ہے، اپنی طرف سے بہت کم کہا ہے، ہر باب کے مطابق قران وحدیث کی صاف اور واضح شہادتیں جمع کر دی ہیں۔

یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی، بار بار ہزاروں ہزار کی تعداد میں طبع ہوئی، مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے اردو میں بھی کئی ایک ترجمے ہو چکے ہیں، انگریزی ترجمہ کا اب تک پتہ نہیں چلا ہے[1]

---

[1] انڈیا آفس کی (عربی فہرست (جلد ۲ ص ۲۸۴ نمبر ۲۰۵) میں کتاب التوحید کے

علمائے نجد نے اس پر شرحیں بھی لکھی ہیں، جن میں بعض بہت مفید اور پرمغز ہیں، بروکلمن (ذیل: ۲، ۵۳۱) نے دو شرحوں کا ذکر کیا ہے:

(الف) الدر النضید لاحمد بن حسن النجدی، جو دلی میں طبع ہوئی (۱۳۱۱ھ)

(ب) فتح اللہ الحمید المجید مصنفہ حامد بن محمد بن حسن، جو امرتسر میں چھپی (۱۸۹۷ء)

پہلی کا ہمیں علم نہیں ہو سکا۔ "دوسری شرح ادھوری اور معمولی ہے"[1]

لیکن بروکلمن نے سب سے اہم شرح فتح المجید کا ذکر نہیں کیا، یہ اصل میں سلیمان بن عبد اللہ بن شیخ الاسلام (مقتول ۱۲۳۳ھ) نے لکھنا شروع کی تھی،

بقیہ سلسلہ صفحہ گزشتہ:- ترجمہ کا حوالہ دیا گیا ہے (جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۷۲ء، ص ۸۲-۶۸، حالانکہ وہ ترجمہ شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب کے اس رسالہ کا ہے، جو انھوں نے ۱۲۱۸ھ میں فتح مکہ کے وقت تالیف کیا تھا، یہ شبہ بروکلمن کو بھی ہوا تھا (۲: ۳۹۰) لیکن ذیل (۲: ۵۳۲) میں اس نے تصحیح کر لی، لیکن تصحیح کے بعد سنہ کی غلطی کر دی ۱۸۷۲ء کی جگہ ۱۸۴۰ء چھپ گیا ہے۔ شیخ عبد اللہ کے رسالہ کا ترجمہ اوکنلی کے قلم سے ہے اور اس نے عجیب و غریب غلطیاں کی ہیں، کسی موقع پر ذکر آئے گا۔

[1] یہ شرح بھی راقم کی نظر سے نہیں گزری۔ اس "رائے" کے لئے مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے ایک مکتوب کا ممنون ہوں۔

لیکن نامکمل رہی، تکمیل شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ الاسلام (م ۱۲۸۵ھ) نے کی، اور کافی اضافے بھی کئے، اور ہمارے سامنے جس شکل میں ہے وہ شیخ ابن حسن ہی کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ اس شرح میں تمام مسئلوں پر سیر حاصل بحث ہے، جابجا امام ابن تیمیہ اور ابن قیم کی کتابوں سے طویل اقتباسات دئے ہیں۔ اور اس طرح پر یہ شرح ایک جامع اور مفید کتاب ہو گئی ہے۔

یہ پہلے مطبع انصاری، دہلی میں چھپی تھی۔ (۱۳۱۱ھ)۔ دوبارہ مطبعہ سلفیہ، مصر میں بحرین کے مشہور تاجر شیخ عبدالرحمٰن قصیبی کے صرفہ سے معمولی کاغذ پر چھپی (۱۳۴۷ھ) اور مفت تقسیم ہوئی۔

اب تیسری مرتبہ مطبع انصار السنۃ المحمدیہ، قاہرہ میں شیخ محمد حامد الفقی کے اہتمام سے نہایت آب و تاب کے ساتھ چھپی ہے (۱۳۵۷ھ)۔ آغاز میں محمد حامد الفقی نے مصنف کے حالات بھی دئے ہیں، جو عنوان المجد سے منقول ہیں۔ ناشر نے جابجا احادیث کی تخریج بھی کی ہے، نیز شرح میں جہاں جہاں امام ابن تیمیہ اور ابن قیم کے اقوال بلاحوالہ نقل کئے گئے ہیں وہاں ناشر نے حاشیہ میں اصل کتابوں کا ٹھیک حوالہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اس سے مراجعت میں بڑی آسانی ہو گئی ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن نے اس مفصل شرح (جو شیخ سلیمان بن عبداللہ کی نامکمل شرح کی تکمیل ہے) کے علاوہ، کتاب التوحید پر کچھ تعلیقات کرائے تھے، وہ بھی الگ قرۃ عیون الموحدین کے نام سے چھپ گئے ہیں (مطبع المنار، مصر)[1]

[1] بحوالہ مکتوب مولانا سید محمد داؤد غزنوی۔

۱۱۴۶ھ) راقم کی نگاہ سے یہ کتاب گزری، محمد حامد الفقی نے فتح المجید کے حواشی
میں کہیں کہیں اس کے اقتباسات دئے ہیں

(۲) کشف الشبہات من التوحید اسے ہم کتاب التوحید کا تکملہ کہہ سکتے
ہیں، یوں تو شیخ کی تمام کتابیں توحید سے متعلق ہیں، اور وہ کتاب التوحید
کا تتمہ کہی جا سکتی ہیں، لیکن رسالہ کشف الشبہات میں توحید ہی توحید ہے،
عام طور پر لوگوں کو توحید خالص کے متعلق جو شکوک ہوتے ہیں، ان کا ازالہ
کیا گیا ہے، کسی کو ولی، غوث کا خیال آتا ہے، کوئی توسل اور استغاثہ کی
راہ سے بھٹکتا ہے، کہیں شفاعت میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، اس رسالہ
میں ان سب شبہات کا قلع قمع کیا گیا ہے، انداز استدلال یکسر قرآنی ہے،
کہیں ادنی ابہام نہیں، اور نہ متاخرین کے جدلیہ طرز بیان کا کہیں سایہ بھی
پڑنے پایا ہے۔ ایک چھوٹا سا رسالہ معلومات اور فوائد کا گنجینہ ہے بار بار
چھپ چکا ہے، ہمارے سامنے وہ نسخہ ہے، جو عیسی بن ربیع نجدی کے مجموعہ
(ص ۷۲-۵۶) میں چھپا ہے۔

(۳) الاصول الثلاثۃ وادلتہا: معرفت رب[1]، معرفت دین اسلام[2]،
معرفت نبی[3]، ان تینوں اصولوں کی دلنشین انداز میں وضاحت کی گئی
ہے، نہایت چھوٹا سا رسالہ ہے۔

(۴) شروط الصلاۃ وارکانہا اس مختصر رسالہ میں نماز کی شرطوں (اسلام[1]،
عقل[2]، تمیز[3]، رفع حدث[4]، ازالت نجاست[5]، ستر عورۃ[6]، دخول وقت[7]،
استقبال قبلہ[8] اور نیت[9]) کی توضیح کی گئی ہے، نیز نماز کے ارکان اور

واجبات بھی بیان کئے گئے ہیں۔

(۵) اربع قواعد: اس رسالہ میں بھی توحید کے بعض پہلو نہایت موثر اور سادہ طریقہ پر بیان کئے گئے ہیں۔ چار اہم قاعدے یہ ہیں:

(الف) کفار عرب بھی اللہ تعالیٰ کو "خالق رزاق مدبر" مانتے تھے لیکن اس سے وہ "اسلام میں داخل نہ ہو سکے"۔

(ب) کفار عرب بھی 'اولیاء من دون اللہ کو' قربت اور شفاعت ہی کے لئے پکارتے تھے' ویقولون ھٰؤلاء شفعاؤنا عند اللہ ؕ

(ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ملائکہ' انبیاء' صالحین' اشجار' احجار' شمس' قمر" کی پرستش کرنے والوں سے یکساں قتال کیا اور ان مختلف قسم کے مشرکین کے درمیان کسی قسم کی تفریق روا نہیں رکھی۔

(د) اس زمانہ کے مشرک' پہلے مشرکین سے بھی گئے گزرے ہیں' وہ تو کم از کم مصیبتوں میں اللہ کو یاد کر لیا کرتے تھے اور موجودہ زمانہ کے مشرک ہر حال میں اولیاء من دون اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔

اس مختصر رسالہ میں انھیں چار' قواعد کی آیات قرآنی سے توضیح کی گئی ہے۔

یہ تینوں رسالے عیسیٰ بن رمیح نجدی کے طبع کرائے ہوئے مجموعہ میں ایک ساتھ چھپے ہیں (ص ۲۷) مطبع المنار' قاہرہ ۱۳۴۰ھ نیز مجموعہ الکتاب المفید مطبوعہ مکہ مکرمہ (۱۳۴۳ھ) میں بھی یہ رسالے شامل ہیں۔ آخر کے دو رسالوں کا بروکلمن نے ذکر نہیں کیا۔

(۶) اصول الایمان: ایمان کے مختلف ابواب کی احادیث سے تشریح ہوگئی ہے، آغاز کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے بعض فرزندوں نے اصل رسالہ میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ وقد زاد فیہ بعض اولادہ زیادۃ حسنۃً۔

پہلے دہلی میں چھپی تھی، اب مجموعۃ الحدیث النجدیہ (قاہرہ مطبع المنار ۱۳۴۲ھ) کے ضمن میں طبع ہوا ہے (صفحہ ۲۴-۲۰۹)۔

(۷) کتاب فضل الاسلام: اسلام کے شرائط کی توضیح کے ساتھ ساتھ بدعت و شرک کی برائیاں کھول کر بیان کی گئی ہیں۔

(مجموعۃ الحدیث النجدیہ صفحہ ۲۵۵-۲۴۲)

(۸) کتاب الکبائر: کبائر کے تمام اقسام، الگ الگ ابواب کی صورت میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، ہر باب میں قرآن و حدیث کے نصوص سے توثیق کی گئی ہے، بلکہ مصنف نے اپنی طرف سے بہت کم لکھا ہے، قرآن کریم اور سنت نبوی کا سلیقہ کے ساتھ جمع کر دینا، اپنی جگہ پر خود ایک کام ہے۔

(مجموعۃ الحدیث النجدیہ صفحہ ۳۱۱-۲۵۸)

(۹) نصیحۃ المسلمین: یہ ایک مستقل کتاب ہے جس میں اسلامی تعلیم کے تمام شعبوں پر الگ الگ بابوں میں حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں، مصنف نے اپنی طرف سے بہت کم بلکہ کچھ نہیں لکھا ہے: (مجموعۃ الحدیث صفحہ ۳۱۲-۴۴۴)

(۱۰) ستۃ مواضع من السیرۃ: سیرت طیبہ کے چھ مقامات کی توضیح اور ان کے نکات پر چھوٹا سا رسالہ ہے وہ چھ مقام (ستۃ مواضع) یہ ہیں:

(الف) نزول وحی کی ابتدا۔

(ب) تعلیم توحید اور کفار کا رویہ۔

(ج) تلک الغرانیق العلی کا واقعہ۔

(د) ابوطالب کا خاتمہ۔

(ھ) ہجرت کے منافع اور عبر۔

(و) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کا واقعہ۔

(مجموعہ الکتاب المفید ص ۲۳-۱۹)

(۱۱) تفسیر الفاتحہ: سورۂ فاتحہ کی نہایت ہی مختصر تفسیر لیکن اس میں بھی شیخ کا جذبہ توحید سطر سطر سے نمایاں ہے۔ (مجموعہ الکتاب المفید: ص ۱۹-۱۸)

(۱۲) مسائل الجاہلیۃ: اس رسالہ میں شیخ الاسلام نے ایسے ایکسو اکتیس[۱۳۱] مسئلے بیان کئے ہیں۔ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جاہلیت اور ان کے معتقدات کی مخالفت کی ہے۔ محمود شکری آلوسی (م ۱۳۴۲ھ) نے اس کی شرح بھی لکھی ہے (الزہراء: رجب ۱۳۴۵ھ
(رر: ص ۵۲-۴۴)

(۱۳) تفسیر الشہادۃ: کلمہ لا الہ الا اللہ کی تفسیر جن میں توحید کی اہمیت دلنشین انداز میں واضح کی گئی ہے۔ (رر: ص ۸-۷)

(۱۴) التفسیر علی بعض سور القران: مختلف آیتوں اور سورتوں پر شیخ الاسلام کی تعلیقات کے مجموعہ کا نام ہے، ایک ایک آیت سے بیسیوں مسئلے استنباط کرتے جاتے ہیں، یہی اس کی خاص خصوصیت ہے۔

(فہرست مشروح خدابخش لائبریری: جلد ۱۸ ج ۲ ع ۱۴۷۷)

(۱۵) کتاب السیرۃ: یہ سیرت ابن ہشام کا خلاصہ ہے، خدابخش لائبریری میں اس کا ایک بہت اچھا اور قدیم نسخہ ہے (مخطوطہ ۱۲۲۴ھ): ملاحظہ ہو۔

فہرست مشروح انگریزی، جلد ۱۵ ع ۱۰۳۸/۱

(۱۶) الہدی النبوی: امام ابن القیم کی زاد المعاد کا مختصر۔ کتاب کے اوپر صرف مختصر 'الہدی النبوی' لکھا ہوا ہے۔ اس لئے فہرست نگار مستقل کتاب سمجھے۔ (ملاحظہ ہو: فہرست مشروح انگریزی جلد ۱۵ ع ۱۰۳۸/۲)

ان کے علاوہ شیخ کے چھوٹے چھوٹے متعدد رسالے ہیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ بعض رسالے روضۃ الافکار جلد اول فصل ثالث میں درج ہیں۔ اسی طرح بعض استفسارات کے جوابات بھی روضۃ الافکار (ج ا فصل رابع) میں مندرج ہیں۔

چوتھا باب

(۴)

دعوت

سیاست کی کارفرمائی

شیخ محمد عبدہ (م ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) "سیاست" اور اس کی 'تحریف' سے پناہ مانگتے تھے 'ما دخلت السیاسیة فی شئ الا افسدته' ان کا فقرہ مشہور ہے، اور ایک حد تک یہ سچ بھی ہے۔ مقصد برآری کے سلسلہ میں ارباب سیاست، جائز اور ناجائز کا خیال نہیں کرتے اور اس لئے صداقتوں کے مسخ کرنے میں وہ عارضی طور پر کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام کی دعوت، جسے 'وہابیت' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ کتاب و سنت کی صحیح تعلیم کے سوا وہ اور کچھ نہیں پیش کرتے، لیکن سیاسی اغراض کے ماتحت، شیخ کی دعوت کو 'وہابیت' کا نام دے کر اس طرح پیش کیا گیا، جیسے اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی دعوت دی جا رہی ہو۔

سوء اتفاق سے اہل نجد کے بدنام کرنے میں تین جماعتیں شریک ہو گئیں۔ ترکی اور مصری حکومتیں تو براہ راست نبرد آزما تھیں، حکومت ہند سے بھی

ایک دو ٹکر ہو گئی تھی، اس لئے تینوں حکومتوں کے وظیفہ خواروں نے اس "کارِ خیر" میں نمایاں حصہ لیا۔ ان کے علاوہ اشرافِ مکہ اور ان کے حواری اپنے نذر و نیاز کی آمدنیوں کی بندش پر الگ برہم تھے[1]، نیز عام یوروپی سیاح (انگریزوں کے علاوہ بھی) جزیرۃ العرب میں صحیح مذہبی بیداری کو اچھی آنکھوں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ مختلف اسباب کے ماتحت، مختلف حکومتوں اور جماعتوں نے، شیخ کی دعوت کی برائی اور بدنامی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج سے کچھ دنوں پہلے تک "وہابیت" نے ایک "ہوے" کی شکل اختیار کر لی تھی، پھر ہندوستان میں حضرت سید احمد شہیدؒ بریلوی اور مولانا اسماعیل شہیدؒ دہلوی کی تحریک تجدید و امامت کو "وہابیت" کا نام دے کر، اسے اسلام سے الگ ایک خارجی قسم کے

---

[1] مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قبروں اور قبوں کی آمدنیوں پر ایک بڑی جماعت کا گزارا تھا، ۱۲۱۸ھ میں سعودی قبضہ کے بعد ان کی روزی بند ہو گئی، تو یہ دعوت کے مخالف بن گئے اور دور و نزدیک طرح طرح کی غلط بیانیاں کرنے لگے، جبرتی (۳: ۲۵۵) صفر ۱۲۱۸ھ کے 'حوادث' میں لکھتا ہے:۔

"حاجیوں کے ساتھ، اہل مکہ کی بڑی تعداد وہابیوں کے خوف سے بھاگ کر آئی ہے، لوگ وہابی کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں، بعض اسے "خارجی" اور کافر بتاتے ہیں، یہ رائے اہل مکہ اور ان کے پیرووں کی ہے اور بعضے، بے غرضی کے وجہ سے، ان کی رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔" الخ الخ

مذہب[1] کی حیثیت دیدی گئی،

آج سے تیس چالیس برس پہلے، ان غلط الزامات کے قبول کرنے کی کوئی توجیہ کی جاسکتی تھی، اہل نجد کی کتابیں عام طور پر نہیں ملتی تھیں، اور خود علماء نجد اپنے محدود علاقہ سے باہر تبلیغ و اشاعت پر بہت کم توجہ کرتے تھے، اس لئے اس وقت یہ بہت ممکن تھا، کہ کوئی شخص سچائی کے ساتھ ان کے متعلق غلط رائے رکھتا ہو، لیکن، آج کہ شیخؒ اور ان کے شاگردوں کی تصنیفات چھپ کر عام ہوچکی ہیں، لاعلمی کا عذر مسموع نہیں ہوسکتا،

شیخؒ کا فقہی مسلک مختصر طور پر تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیخ الاسلام دین اسلام کو اس کی اصل شکل میں دیکھنا چاہتے تھے، عقائد و اعمال، ہر چیز میں سلف کی پیروی ان کے دل سے لگ گئی تھی فروع فقہ میں وہ امام اہل سنت احمد بن حنبل کے مسلک پر عمل کرتے تھے، لیکن حنابلہ کے مسلک کے خلاف کوئی حدیث مل جانے پر انھیں کوئی طاقت اس حدیث پر عمل کرنے سے نہیں روک سکتی تھی:

واما مذھبنا فمذھب الامام احمد بن حنبل امام اھل السنۃ فی الفروع ولا ندعی الاجتھاد۔ واذا بانت لنا سنۃ صحیحۃ عن رسول اللہ صلی اللہ	ہمارا مذہب فروع اور احکام میں امام اہل سنت امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے اور ہم اجتہاد کا دعویٰ نہیں کرتے اور جب رسول اللہ کی کوئی صحیح سنت

---

[1] مذہب: یہاں عربی مفہوم میں استعمال کر رہا ہوں ھو ما ذھب الیہ احد الائمۃ اردو میں مذہب، دین کا مرادف ہوگیا ہے۔

علیہ وسلم عملنا ولا نقدم علیہا قول احد کائنا من کان .... (الهدية السنية ص۹۹)

ہم پر آشکارا ہو جاتی ہے۔ تو ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور اس پر کسی کا (خواہ کوئی بھی ہو) قول مقدم نہیں کرتے۔

امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کے اقوال سے وہ بسا اوقات استدلال کرتے ہیں۔ لیکن ان کی تقلید کا پھندا بھی شیخ نے گردن میں نہیں ڈالا' ابن تیمیہ اور ابن قیم اسی وقت تک ان کے پیش رو ہیں جب تک ان کے علم کے مطابق وہ کتاب و سنت سے منحرف نہیں ہوتے۔ خلاصہ یہ کہ متاخرین فقہا کی طرح' وہ کسی امام یا عالم کی شخصی پیروی نہیں کرتے' بلکہ وہ امام یا عالم ان کی نگاہ میں صرف اس لئے محبوب ہے کہ وہ کتاب و سنت پر صحیح صحیح عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

الامام ابن القیم و شیخہ اماما حق من اهل السنة وکتبهم عندنا من اعز الکتب الا انا غیر مقلدین لهم فی کل مسئلة ......

امام ابن القیم اور ان کے استاذ دونوں اہل سنت کے ائمہ حق میں سے ہیں اور ان کی کتابیں ہمیں بہت محبوب ہیں مگر یہ کہ ہر مسئلہ میں ہم ان کے مقلد نہیں۔

(الهدية السنية: ص۵۳)

سچی بات یہ ہے کہ جہاں تک فقہ کا تعلق ہے۔ وہ حنبلی مسلک کی اتباع کرتے ہوئے بھی' دوسروں کو اس کی پیروی پر مجبور نہیں کرتے'

وہ شافعی کو شافعی اور حنفی کو حنفی بننے کی دعوت دیتے ہیں بدعات اور بیہودہ رسمیں کسی امام نے روا نہیں رکھیں، غنا اور مزامیر کے بارے میں فقہائے حنفیہ سے کون زیادہ سخت ہے؟ لیکن آج ہماری آنکھوں کے سامنے اپنے کو "حنفی" کہنے والے کیا کیا نہیں کر رہے ہیں؟

شیخ کے فقہی مسلک کی مزید توضیح کے لئے ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:۔

ونحن ایضاً فی الفروع علی مذھب الامام احمد بن حنبل ولا ننکر علی من قلد احد الاربعة دون الغیر لعدم ضبط مذاھب الغیر کالرافضة الخ

(ہم بھی فروع میں امام احمد بن حنبل کے[1] مذہب پر ہیں، اور ائمہ اربعہ کے مقلدین پر نکیر نہیں کرتے، البتہ ان کے علاوہ دوسروں کی تقلید روا نہیں رکھتے، اس لئے کہ اوروں کے مذاہب صحیح طور پر مدون نہیں، جیسے روافض وغیرہم)

ولا نستحق الاجتهاد المطلق ولا احد لدنا یدعیھا الا اننا فی بعض المسائل اذا صح لنا نص جلی من کتاب او

اور ہم "اجتہاد مطلق" کے اہل نہیں، اور نہ ہم میں سے کوئی اس کا دعویٰ کرتا ہے۔ مگر یہ کہ بعض مسائل میں

---

[1] مارگولیوتھ نے شیخ الاسلام اور امام حنبل کے اختلافات کی ایک فہرست دی ہے، جو انتہائی جاہلانہ ہے، مثال کے طور پر وہ لکھتا ہے کہ نماز باجماعت شیخ کے نزدیک فرض ہے اور امام کے ہاں نہیں، اس سے زیادہ جہل کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟ (انس سلام، مقالہ وہابیت)

غیر منسوخ ولا مخصص ولا معارض باقوی منہ وقال بہ احد الائمۃ الاربعۃ اخذنا بہ وترکنا المذہب کارث الجد والاخوۃ فانا نقدم الجد وان خالف مذہب الحنابلۃ [1]

اگر کتاب یا سنت کی کوئی غیر منسوخ واضح نص سامنے آجائے، جس کی تخصیص یا تعارض بھی کسی دوسرے قوی نص سے نہ ہو اور ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اسے اختیار کیا ہو تو ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور اپنا "مذہب" ترک کر دیتے ہیں، جیسے جد اور بھائیوں (اخوۃ) کے ترکہ میں ہم حنابلہ کے مسلک کے خلاف، جد کو (اخوۃ) پر مقدم رکھتے ہیں۔

(تاریخ نجد للآلوسی ص۴۶-۴۵؛ صیانۃ الانسان ص۴۷۱)

عقائد عقائد کے باب میں وہ "سلف" کے مسلک پر ہیں، قرآن کریم اور صحیح حدیثوں میں اللہ تعالیٰ کی جو صفتیں آئی ہیں، انھیں ہو بہو تسلیم کرنا اور "کیفیت" کی نفی کے ساتھ ان کے ظاہر پر ایمان لانا۔ یہی سلف کا مسلک ہے۔

صفات کا مسئلہ علماء اسلام کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، ایک جماعت

---

[1] یہ عبارت الہدیۃ السنیۃ کے مجموعہ میں کہیں نظر سے گزری ہے۔ غالباً شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے اس رسالہ میں یہ ٹکڑا آیا ہے، جو ۱۲۱۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر تقسیم کیا گیا تھا اصل رسالہ اس وقت پیش نظر نہیں، اس لئے دوسرے حوالے دئے گئے۔

"تشبیہ" اور "تمثل" کے خوف سے "صفات" ہی کا انکار کر بیٹھی، یہ گویا اللہ کو معطل کر دینا ہوا، دوسری جماعت "صفات" کی قائل ہوئی تو "تشبیہ اور "تکیف" کی حد تک آگئی، یہ بھی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات "جسمیہ" سے منزہ ہے متکلمین اشاعرہ نے اس "تعطل" اور "تشبیہ" سے بچنے کے لئے ان تمام آیتوں اور حدیثوں کی تاویل شروع کر دی، وہ "استواء" سے "استیلا" مراد لینے لگے، اسی طرح (ید اللہ) کی تفسیر "نعمت" اور "قدرت" سے کرنے لگے، (فانك باعيننا) سے حفظ و نگہداشت کے معنی لئے گئے الخ، لیکن سلف اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے اس تاویل سے اتفاق نہیں کرتے، یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ان الفاظ سے جو آپ مراد لے رہے ہیں وہی مراد الٰہی بھی ہے، اور پھر تاویل کرنے والوں کو بعض آیتوں اور حدیثوں کی تاویل میں ایسی دور از کار تاویلیں کرنا پڑتی ہیں کہ پڑھ کر بے اختیار ہنسی آتی ہے، ابن فورک (م ۴۰۶ھ) کی مشکل الحدیث میں اس "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں سلف کا مسلک اس "تکیف" و تعطیل اور تاویل سے الگ ہے۔ ائمہ سلف کا مسلک امام ابن تیمیہؒ کی زبان میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے،

"ائمہ سلف کا مذہب یہ ہے کہ ہم اللہ کو تحریف، تعطیل، تکیف، تمثیل کا ادنیٰ شائبہ آئے ہوئے بغیر ان صفتوں کے ساتھ متصف کریں، جن کے ساتھ خود اس نے اپنے کو اور اس کے رسول کریم (ص) نے متصف کیا ہے، تو ان صفات کی نفی جائز نہیں، جن سے اس نے

اپنے کو متصف کیا ہے، اور نہ ان صفات کو مخلوق کی صفتوں کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے، بلکہ اس کی ذات ان چیزوں سے منزہ ہے، اس کا مثل کوئی نہیں۔ نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں تو سلف کا مذہب، دو مذہبوں کے بین بین اور دو گمراہیوں کے درمیان اعتدال کی راہ ہے، یعنی صفات کا اثبات اور مخلوقات کے ساتھ مماثلت کی نفی۔ الخ الخ

(الانتقاد الرجیح (علی حاشیہ جلاء العینین) ص۲۰۳)

تو گویا سلف کا مسلک اثبات اور نفی کے درمیان ہوا، وہ ید، عین اور اس قسم کی دوسری صفتوں کی تاویل نہیں کرتے، بلکہ ان کے ظاہر ہی پر ایمان لاتے ہیں، لیکن مماثلت کی نفی۔ کے ساتھ یعنی 'ید' اور 'عین' سے صفات باری میں وہ معنی نہیں سمجھے جائیں گے، جو انسانوں کے ساتھ سمجھے جاتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کیف اور جسمیت سے منزہ ہے۔ اصل مفہوم اور کیف کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ہمارا کام بے چون وچرا ایمان لانا ہے۔ امام دار الہجرۃ مالک ابن انس کا مشہور قول مسلک سلف کی بہترین ترجمان ہے:

استواء غیر مجہول والکیف غیر معقول والایمان بہ واجب والسؤل عنہ بدعۃ	استواء نامعلوم نہیں، اور کیف کا تصور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے متعلق کرید نا

بدعت ۔ (جلاء العینین : ص۲۱۲)

یہ سلف کا مسلک صرف حنابلہ یا امام ابن تیمیہ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کا نہیں، بلکہ تمام ائمہ اسلام کا یہی مسلک رہا ہے "تشبیہ اور تجسیم کی نفی کے ساتھ تاویل سے بچنا" (الامساك عن التاويل مطلقاً مع نفي التشبيه و التجسيم)۔

تمام ائمہ کا مسلک رہا ہے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، محمد بن الحسن، سعد بن معاذ مروزی، عبداللہ بن المبارک، سفیان ثوری، امام بخاری ترمذی، ابو داؤد سجستانی وغیرہم سب اسی مسلک پر گامزن رہے ہیں۔ (جلاء العینین : ص۲۲۹) خود امام ابو الحسن اشعری سے رجوع ثابت ہے۔ امام الحرمین سے بھی اس کی تائید منقول ہے۔ تمام صحابہ اور تابعین کا تو یہ مسلک تھا ہی، تاویل کا دروازہ تو "عقلیت" کی گرم بازاری کے بعد کھلا،

متاخرین اشاعرہ اور عام علمائے اسلام (متاخرین) کا مسلک 'تاویل' کا رہا ہے، مدرسوں میں 'عقائد' کے نام سے جو کچھ پڑھایا جاتا ہے، وہ یہی اہل تاویل کا مسلک ہے۔ لیکن تاویل کے وہ معنی تو ان الفاظ کا ایک محمل ہے، ایسی بیسیوں تاویلیں اور بھی کی جا سکتی ہیں، یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ آپ کی تاویل عین مراد الٰہی کے مطابق ہے، اور اگر اس کا یقین نہیں (اور یقینی نہیں) تو ہم پھر اپنے کو خطرہ میں کیوں ڈالیں، سلامتی اسی میں ہے کہ اسلاف کے طریقہ کے مطابق ہم بھی (کلّ ما ورد فی الشرع) پر بلا 'تعطیل' و 'تکیف' کے اعتقاد رکھیں، یہی پہلے بزرگوں کا مسلک ہے اور

اسی پر آج بھی ٹھیٹھ اہل توحید و سنت اعتقاد رکھتے ہیں، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروؤں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

"..... وبالجملة فعقيدتنا في جميع الصفات الثابتة في الكتاب والسنة عقيدة اهل السنة والجماعة نؤمن بها وغوبها كما جاءت مع اثبات حقائقها وما دلت عليه من غير تكييف ولا تمثيل ومن غير تعطيل ولا تبديل ولا تاويل الخ

خلاصہ یہ کہ ان تمام صفات کے بارے میں جو کتاب و سنت میں ثابت ہیں، ہمارا عقیدہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں اور زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کرتے، اور ان کے معانی اور حقائق پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن کسی تکییف، تمثیل، یا تعطیل و تبدیل اور تاویل کی پرچھائیں بھی نہیں پڑنے دیتے۔ الخ

(الهدية السنية: صـ ۹۹)

آیات صفات کے باب میں 'سلف' کا مسلک مشہور ہے (جس کی مختصر توضیح اوپر کی گئی) صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ شیخ الاسلام بھی 'سلف' کا عقیدہ رکھتے تھے، قرون اولیٰ کے بعد امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) سے زیادہ کسی نے اس سلسلہ میں تکلیفیں نہیں اٹھائیں، اشاعرہ اور متکلمین کے خیالات ذہن اور دماغ پر کچھ اس طرح مسلط ہو گئے تھے کہ راہ حق بھی لوگوں کو جاہلوں اور کم عقلوں کا مسلک نظر آتی تھی۔

بہرحال امام ابن تیمیہؒ کی طرح شیخ الاسلام ابن عبدالوہاب بھی

"سلف" کے عقیدے پر سختی کے ساتھ قائم رہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے آلوسی کی جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین (ص ۲۶-۱۶۱) ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ جہاں فاضل مصنف نے پوری بحث کا نچوڑ دیدیا ہے اور ابن تیمیہ، ابن جوزی، شیخ عبدالقادر جیلی اور خود امام ابوالحسن اشعری کی تصنیفات سے اقتباسات دیئے ہیں۔

توحید اور اس کے لوازم

شیخ نے اپنی تمام کتابوں اور رسائل میں توحید پر بہت زور دیا ہے، بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ ان کی تصنیفات میں صرف توحید ہی توحید ہے، ان کی دعوت بھی "توحید" کی تھی، شعار کلمہ لا الہ الا اللہ تھا، وہ ہر ایک کو اسی کلمہ کا مفہوم سمجھاتے اور اس کی حقیقت ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے، اسی لئے ان کے ماننے والے بسا اوقات "موحدین" کے نام سے بھی پکارے جاتے ہیں۔

"توحید" کیا ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ کو عبادت کا مستحق قرار دینا۔ بات معمولی سی ہے، لیکن شیطان کی گھاتیں بہت وسیع ہیں۔ اس نے ایک اللہ کے پرستاروں سے بھی وہ کام کرائے، جو شرک کے حدود میں داخل ہوتے ہیں۔ "اخلاص توحید" کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام اعمال و اقوال سے پرہیز کیا جائے، جن میں "غیر اللہ" کی شرکت کا ادنیٰ شائبہ بھی پیدا ہوتا ہو شیخ الاسلام نے ان "اعمال و اقوال" کی توضیح میں کوئی کمی نہیں کی، ان کے مضرات اور برائیاں کھول کھول کر بیان کیں، جن راہوں سے یہ برائیاں پیدا ہوتی تھیں۔ ان کے روکنے کی کوششیں کیں، لیکن وہ قوم جو سارے

عالم کے لئے توحید کا پیغام لے کر نکلی تھی، بعد کی صدیوں میں خود قبر پرستی، تعزیہ پرستی اور اس قسم کی دوسری "پرستیوں" کا اس طرح شکار ہوئی کہ جب ایک عرصہ کے بعد اس کے کانوں میں توحید کی آواز پہنچی، تو اسے اجنبیت محسوس ہونے لگی، کتاب وسنت سے نصوص پیش کئے گئے، تو تاویلیں کی گئیں اور خود توحید کے علمبرداروں کو 'وہابی' 'مشرک' 'خارجی' اور مختلف فقہی اور مذہبی گالیوں سے نوازا گیا۔ شیخ الاسلامؒ کا سارا قصور یہ ہے کہ انھوں نے کھلم کھلا توحید کی دعوت دی، شرک اور اس کے شوائب (شائبہ کی جمع) سے بچنے کی تاکید کی اوثان من دون اللہ کی مذمت کی، غیر اللہ کی قسمیں کھانا، نذریں ماننا اور قبروں کی پرستش وغیرہ کی صاف صاف برائی کی۔ اور اگر یہ واقعی قصور ہے، تو پھر ہر مسلمان کو سچے دل سے قصور وار بن جانا چاہیئے۔

ذیل میں ہم ان مخصوص باتوں کو سادہ لفظوں میں بیان کر دیتے ہیں، جو شیخؒ اور اہل سنت کی رائے اور عقیدہ میں توحید سے دور اور شرک سے قریب کرنے والی ہیں:۔

---

(۱) مصیبتوں میں غیر اللہ کو پکارنا یا اللہ کے ساتھ غیر کو بھی پکارنا:

اب جو عام طور پر کم لکھے پڑھے یا پڑھے لکھے خوش عقیدہ "یا رفاعی" "یا بدوی" اور "یا عبد القادر" (اور ہمارے ہاں: اے داتا پیر بھوڑ، اے مخدوم صاحب، اے مخدوم منجھن وغیرہ وغیرہ) کہ کر غیر اللہ کو مصیبتوں میں یاد کرتے ہیں، تو یہ "دعا غیر اللہ" شائبہ شرک سے خالی نہیں۔ اسی

"دعا" میں 'عبادت' کی جھلک آتی ہے۔ "داعی" کی نیت اور "مدعو" کے مرتبہ سے بالکل بحث نہیں، ممکن ہے اور بہت ممکن ہے کہ 'داعی' کی نیت 'عبادت' یا 'شرک' کی نہ ہو۔ لیکن ایک مخلوق، دوسرے مخلوق کو مصیبتوں میں پکارے، اس سے 'دفع ضرر' یا 'جلب خیر' کی درخواست کرے یہ توحید کے سراسر خلاف ہے۔ اور اسلام جیسے توحید کامل کے مذہب میں اس کی بالکل گنجائش نہیں۔

ان حالات میں جو غیر اللہ کو مصیبتوں میں یاد کرتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو وہ جاہل ہے، اور کتاب سنت کی صحیح تعلیمات کا اسے علم نہیں، تو اسے شیخ الاسلام کے پیرو سیدھی راہ بتانے کی کوشش کریں گے، کہ وہ آئندہ اس سے پرہیز کرے، اور اگر کوئی شریعت کا حکم جاننے کے بعد بھی 'دفع ضرر' یا 'جلب خیر' کے لئے غیر اللہ کو یاد کرتا ہے اور پکارتا ہے تو پھر وہ اسے شرک سمجھتے ہیں، اور اس سے کسی قسم کی رواداری برتنے کے لئے تیار نہیں، قرآن کریم کی یہ آیتیں ان کے لئے حجت اور دلیل راہ ہیں:

والذین تدعون من دونه ما یملکون
من قطمیر۔ ان تدعوهم لا یسمعوا دعاءکم
ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیامة
یکفرون بشرککم، ولا ینبئک مثل خبیر

(۳۵: ۱۴، ۱۵)

(۲) استغاثہ: غیر اللہ سے فریاد چاہنا، اس کا حکم بھی دعا غیر اللہ کا ہے۔

ابویزید بسطامی کا قول ہے:[1] استغاثۃ المخلوق بالمخلوق کاستغاثۃ المسجون بالمسجون

مخلوق کا مخلوق سے فریاد چاہنا، اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ قیدی دوسرے قیدی سے فریاد طلب کرے۔

طبرانی کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے:۔

"انہ لا یستغاث بی، وانما یستغاث باللہ تعالی (۱)

(مجھ سے فریاد نہیں طلب کی جاتی، فریاد تو صرف اللہ سے مانگی جاتی ہے"

خلاصہ یہ ہے کہ 'زندہ یا مردہ' کسی غیر اللہ سے فریاد چاہنا قطعاً حرام ہے اور اسلامی توحید کے بالکل خلاف ہے۔

(۳)، توسل: لفظ 'توسل' تین معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے:

(الف) رسول کریم (ص) کی اطاعت کا وسیلہ، تو یہ فرض ہے، اس کے بغیر ایمان مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔

(ب) رسول (ص) کی دعا اور شفاعت کا وسیلہ، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی زندگی میں تھا، اور پھر قیامت کے دن اس کا موقع ہوگا، جب خلقت رسول کی شفاعت کا وسیلہ ڈھونڈھے گی۔

(ج) تیسرا وہ توسل ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کو انبیاء اور صالحین کی

---

[1] ۔ جلاء العینین: ص۲۱۲ ۔

[2] ۔ بحوالہ جلاء العینین ص۳۱۳ ۔

ذات کا واسطہ دلایا جاتا ہے تو یہ صحابہ نے رسول کریم (ص) کی زندگی میں کیا، نہ وفات کے بعد، نہ استسقاء وغیرہ کے موقع پر، نہ قبر پر اور نہ قبر سے ہٹ کر یا کسی موقع پر صحابہ سے اس قسم کا غیر مشروع توسل منقول نہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کو گویا رسول یا ولی کی ذات کی قسم دی جاتی ہے۔ ادعیہ ماثورہ میں بھی کہیں اس 'توسل' کا پتہ نہیں چلتا، توسل کی یہی تین صورتیں ہیں، جن میں سے پہلی صورت (یعنی رسول (ص) پر ایمان اور ان کی اطاعت کا وسیلہ پکڑنا) ہمیشہ مشروع ہے، دوسری صورت رسول (ص) کی دعا اور شفاعت کو (ذات کو نہیں) وسیلہ بنانا، تو یہ رسول اللہ (ص) کی زندگی میں بلاشبہ 'نافع' اور 'مطلوب' تھا، "توسل کے ان دونوں معنوں کا منکر کافر اور مرتد ہے" (من انکر التوسل باحد هذین المعنین فهو کافر مُرتد) جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ نے تصریح کی ہے لیکن رسول (ص) کی وفات کے بعد یہ دوسری صورت بھی متعذر ہو گئی قبروں پر سلام اور موتیٰ سے مخاطب ہو کر "السلام علیکم" کہنا منقول ہے لیکن مردہ یا غائب سے دعا کی درخواست کرنا بدعت ہے (جلاء العینین : ص ۲۸۴) یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے بھرے مجمع میں ارشاد فرمایا (اور کسی نے نکیر نہیں کی) :

اللهم انا کنا اذا اجدبنا توسلنا الیک بنبینا فتسقینا، وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا ۵	اے اللہ، جب ہم پر قحط سالی آتی تھی، تو تیرے نبی (ص) کا وسیلہ پکڑتے تھے، اور تو ہمیں

سیراب کرتا تھا' اور (اب) ہم
تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ پکڑتے
ہیں' تو ہمیں سیراب کر۔

آنحضرت (ص) کی رحلت کے بعد حضرت عباسؓ کا وسیلہ پکڑنا بے معنی بات نہیں ہو سکتی۔ چونکہ یہ 'توسل' طلب دعاء کے لئے ہوتا ہے۔ اور وفات کے بعد طلب دعاء متعذر ہے' اس لئے حضرت فاروقؓ عم رسول (ص) کا وسیلہ لائے۔ (یعنی طلب دعاء کے لئے)

اب رہی تیسری صورت جس میں انبیاء اور صالحین کی ذات کو وسیلہ بنایا جاتا ہے' یا اللہ تعالیٰ کو اولیاء اور صالحین کے نام کی قسم دی جائے' جیسے کوئی کہے۔

اسالك بجاه عبدك .. اوبحقه

تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حنابلہ کے نزدیک صحیح روایت یہ مکروہ تحریمی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور دوسرے فقہا حنفیہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے انبیاء' اولیاء' مقامات مقدسہ کسی کے 'حق' کا واسطہ دلا کر دعاء مانگنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے لاحق للمخلوق علی الخالق" سے ان کا استدلال ہے اور صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہی امام ابن تیمیہؒ کا مسلک ہے۔ اور اسی پر شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب اور ان کے متبعین کا عمل ہے' وہ کسی نبی یا ولی کی ذات کے ساتھ 'توسل' کو روا نہیں رکھتے اور اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں کرتے' صرف حنفیہ اور

حنابلہ کے متفقہ مسلک کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔

متقدمین علماء میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ) صرف رسول کریم (ص) کی ذات اقدس سے توسل کو جائز[1] قرار دیتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک "اللّٰھمّ انی اتوسل الیک بنبیک وحبیک محمد ص" یا "اللّٰھمّ انی اسئلک بجاھک ونبیک محمد (ص)" کہنا جائز ہے۔ رسول کریم (ص) کی ذات اقدس اور اُن کی منزلت کو سامنے رکھتے ہوئے شیخ عزبن عبدالسلام جیسے مجتہد النظر عالم کا ڈگمگا جانا کوئی حیرت کی بات نہیں، متاخرین میں شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) بھی "توسل بالنبی" کو جائز رکھتے ہیں۔ رہا اولیاء اور صالحین کی ذات کو وسیلہ بنانا، تو یہ کسی سے منقول نہیں، اور اگر بعض متاخرین علماء یا سبکی وغیرہ نے اس کے جواز کی کوشش کی ہے، تو یہ ایک بے اصل بات کے رائج کرنے کی کوشش ہے، اور بدعات کا دروازہ کھولنا ہے۔

یہاں صرف شیخ الاسلام کے مسلک کی توضیح مقصود ہے کسی فقہی بحث کا یہ موقع نہیں ماخذ کے ضمن میں موضوع کی مختلف کتابوں کا ذکر آئے گا، التوسل والوسیلۃ کے علاوہ امام ابن تیمیہ کے فتاوی اور دوسری تصنیفات بھی ان بحثوں سے بھری پڑی ہیں۔ مختصر طور پر موافق و مخالف بحثوں کے خلاصہ کے لئے: جلا العینین (ص ۳۱۵-۲۶۹) سے فائدہ اٹھایا

---

[1] وہ بھی "اِن صح الحدیثِ فیہ" کی شرط کیا تھا (الدر النفیسہ ص ۶)

جا سکتا ہے۔

(۳) استعاذہ : توحید کا اقتضا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اسماء اور صفات کے سوا کسی مخلوق کی پناہ بھی نہ ڈھونڈھی جائے، اسی اصل کی بناء پر امام اہل سنت احمد بن حنبل نے، قرآن کے کلام الٰہی اور غیر مخلوق (کلام اللہ غیر مخلوق) ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا تھا:

اعوذ بکلمات اللہ التامات

یعنی اگر اللہ کا کلام 'مخلوق' ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کلمات اللہ یعنی مخلوق کی پناہ نہ مانگتے" گویا اس وقت یہ بات مسلم تھی، کہ مخلوق کے ساتھ استعاذہ، (یعنی کسی مخلوق کی پناہ مانگنا) جائز نہیں، ورنہ مخالفین ضرور تردید کرتے، خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کاہنوں کی مذمت کی ہے کہ وہ غیر اللہ (جن) کی پناہ مانگتے ہیں:

انہ کان رجال من الانس یعوذون برجال
من الجن فزادوھم رھقاً [۷۲:۶]

اسی لئے شیخ الاسلامؒ نے صاحب بردہ کے اس شعر پر اعتراض کیا ہے:

یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ سواک عند حلول الحادث الجسم

کوئی شک نہیں کہ " مالی من الوذ بہ سواک " (میرے لئے تیرے سوا کوئی نہیں، جس کی پناہ لوں) صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہو سکتی ہے، شوکانی نے بھی (جو توسل کے مسئلہ میں ذرا نرم ہیں) اس شعر پر اعتراض کیا ہے۔
(الدر النضیہ ص ۲۹)

(۵) الحلف بغیر اللہ: غیر اللہ کی قسم کھانا بھی توحید کی روح کے خلاف ہے۔ یہ کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں، بلکہ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے لیکن عوام بلکہ بعض خواص بھی اس آزار میں مبتلا ہیں، اور تمام مسلم علاقوں میں انبیاء اور اولیاء کی قسمیں کھانے کا عام رواج ہے، اتنا عام کہ اگر آپ کسی کو منع کریں، تو وہ ماننے کے بدلے الٹا آپ پر بددینی، یا کم از کم "وہابیت" کا الزام تو لگا ہی دے گا۔ حالانکہ ترمذی کی روایت (من حلف بغیر اللّٰہ فقد اشرك) میں حلف بغیر اللہ کو 'شرک' کہا گیا ہے، اس سے زیادہ 'نہی' اور کیا ہو سکتی ہے؟ اسی اصل کی بناء پر امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

لاینبغی لاحد ان یدعو اللّٰہ الا بہ" واکرہ ان یقول بمعاقد العزّ من عرشك اوبحق خلقك'۔

تو امام اعظم کے نزدیک اللہ کے سوا غیر اللہ کی قسم کھانا یا اس کی دہائی دینا قطعاً ممنوع ہے۔ البتہ امام ابویوسف بمعاقد العزّ من عرشك جائز رکھتے ہیں، کہ 'عرش پر عزت کی جگہ' کا مالک اللہ ہی ہے۔ اور معقد العزّ من عرشك سے اللہ تعالیٰ ہی مراد ہو سکتا ہے۔ امام صاحب اس کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں، "بحق فلاں" کہہ کر اللہ سے مانگنا تو بہرحال سب کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا — دعاء غیر اللہ، استغاثہ بغیر اللہ، التوسل بالانبیاء والصالحین، استعاذۃ اور حلف بغیر اللہ، یہ سب کی سب ایک قسم کی چیزیں ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنے اندر 'شرک' کے جراثیم رکھتا ہے، اور توحید کی روح کے یکسر خلاف، اس لئے یہ توہم پرستیاں دین خالص میں کبھی روا نہیں رکھی

جا سکتیں، محمد بن عبدالوہاب کا تصور صرف اس قدر ہے کہ انھوں نے ان مکروہات سے سختی کے ساتھ روکا اور کم از کم ایک خطہ میں عوام تک کو اس کا پابند کر چھوڑا

(۷) زیارۃ القبور: قبروں کی زیارت مشروع ہونے میں شک نہیں، بشرطیکہ 'زیارت' کے حدود سے تجاوز نہ کرے۔ مسلمان کے لئے انبیاء، صالحین عام مسلمانوں، بلکہ غیر مسلموں کی قبروں کی زیارت بھی جائز ہے، غیر مسلموں کی قبروں کی زیارت جائز ہے اس کے لئے جو عبرت اور نصیحت، حاصل کرنا چاہے اور مسلمانوں کی قبروں کی زیارت سنت ہے (جس کی ترغیب بھی دی گئی ہے) اس کے لئے جو اہل قبر کے لئے دعا کرنا چاہے۔

محمد بن عبدالوہاب اور ان کے ماننے والے 'زیارت قبور' کے منکر نہیں، البتہ وہ ان 'بدعات' کے سخت مخالف ہیں، جو قبروں کے پاس روا رکھی جاتی ہیں وہ "قبروں سے مرادیں مانگنے والوں، دعا کرانے والوں اور شفاعت چاہنے والوں" کو روکتے ہیں، اور آج کل قبروں کی زیارت نہیں ہوتی، بلکہ "بدعت فروشی" کی دوکانیں گرم ہوتی ہیں۔ صاحب قبر سے دعا مانگنا، اس کے واسطہ سے دعا مانگنا، یا قبر کے پاس بہ نیت تقرب الی اللہ کھڑے ہو کر اپنے لئے دعا مانگنا۔ ان میں سے کوئی چیز جائز نہیں۔ اور موحدین انھیں چیزوں سے روکتے ہیں۔

"قبروں کے مسجد بنانے" سے حدیثوں میں بار بار منع کیا گیا ہے، اس باب میں بے شمار صحیح مشہور حدیثیں ہیں، اور اسی بنا پر محمد بن عبدالوہاب کے ماننے والوں نے قبوں کے گرانے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا، ایک چیز ناروا ہے فرمان شریعت کے خلاف قبروں کو اوثان (بتوں) کی حیثیت دیدی گئی ہے۔

یہ ایک منکر ہے، اگر طاقت ہو تو اس منکر کے مٹانے میں دریغ نہیں ہونا چاہئے۔

محمد بن عبدالوہاب کے جانشین پہلے فرماں روا نہیں جنھوں نے قبوں کے انہدام پر توجہ کی ہو، بلکہ یہ امام شافعیؒ ہی کے زمانہ (دوسری صدی ہجری کا آخر) سے چلا آتا ہے۔" امام شافعی نے کتاب الام میں ذکر کیا ہے کہ حکام قبروں کو ہدم کرتے تھے، اور فقہاء ان پر اعتراض نہیں کرتے، نووی نے شرح مسلم میں بھی ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

[الہدیۃ السنیۃ حاشیہ از علامہ سید رشید رضا: ص ۴۹]

اسی طرح ابن حجر ھیتمی کی الزواجر میں بھی منقول ہے، ابن حجر نے فقہاء کا قول بھی نقل کیا ہے:

وتجب المبادرة لهدمها وهدم القباب
التي على القبور اذ هي اضر من مسجد الضرار الخ

(ان) قبروں کو اور ان قبوں کو جو قبروں پر (تعمیر کئے گئے) ہیں، فوراً ہدم کر دینا چاہئے، اس لئے کہ یہ "مسجد ضرار" سے بھی زیادہ خطرناک ہیں،

[الزواجر: ج ۱ ص ۱۶۳] مطبع وھبیۃ،

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات آئینہ ہو گئی، کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کسی نئے دین کی دعوت نہیں دیتے، نہ انھوں نے کوئی نیا فقہی مذہب ہی ایجاد کیا ہے، وہ خود امام احمد بن حنبل کے مذہب پر ہیں، ان کی دعوت صرف "کتاب وسنت" کی دعوت ہے، وہ حنفیوں سے صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ پکے حنفی ہو جائیں، یہی مطالبہ ان کا شافعیوں سے ہے، آج امام شافعیؒ کی قبر پر مصر میں جو کچھ

کیا جاتا ہے، کیا اسے وہ کسی حالت میں روا رکھ سکتے تھے؟ یہی حال دوسرے ائمہ کا ہے، ان میں سے کوئی بدعات کا روادار نہیں تھا اور نہ ہو سکتا تھا، محمد بن عبدالوہاب کے پیرو مسلمانوں کو انھیں بدعتوں سے باز رہنے کی دعوت دیتے ہیں، اور جو بار بار فہمائش کے بعد بھی نہیں مانتا، اس سے سختی کے ساتھ بھی پیش آتے ہیں۔ ان کے اسی "شدت فی العمل" کو نہ جانے کن کن "فقہی گالیوں" سے تعبیر کیا گیا ہے؟ اور اسی بنیاد پر محض قیاس آرائی سے کام لے کر بے بنیاد افترا پردازیاں بھی کی گئی ہیں، اس مختصر سی کتاب میں سینکڑوں صفحوں کی گالیوں اور بے شمار "بہتانوں" کی فہرست پیش کرنا بہت دشوار ہے پھر بھی آئندہ صفحات میں غلط بیانیوں کے کچھ نمونے دیے جاتے ہیں۔

پانچواں باب

غلط بیانیاں اور افتراپردازیاں

وہابیت سب سے بڑی غلط بیانی شیخ الاسلام کی دعوت کے متعلق یہ کی گئی کہ اسے وہابیت کا نام دیا گیا گویا یہ اسلام سے الگ کوئی دین ہے، انگریزوں، ترکوں اور مصریوں نے مل کر اسے ایسا ہوّا بنایا کہ اسلامی دنیا میں پچھلی دو صدیوں میں جتنی تحریکیں پیدا ہوئیں اور یوروپی طاقتوں نے ان سے کوئی خطرہ محسوس کیا جھٹ اس کا ڈانڈا نجد کی وہابیت سے ملا دیا گیا مغرب کی سنوسی تحریک، فقہ کی جزئیات میں نجدی دعوت سے بالکل الگ بلکہ متناقص ہے۔ تاہم اسے بھی شیخ الاسلام ہی کی دعوت کا شاخسانہ بتایا جاتا ہے۔ اور صرف اس لئے کہ سنوسی تحریک اپنی جہادی سرگرمیوں کے باعث اٹلی کے لئے ایک عرصہ تک خطرہ بنی رہی۔ ہندستان کی تحریک "تجدید و امامت" تو نجد سے اس طرح وابستہ کی گئی ہے کہ غیر تو غیر اپنے بھی دونوں کو ایک خیال کرنے لگے ہیں اصلی مآخذ (کتاب و سنت) کے ایک ہونے میں شبہ نہیں لیکن طریق کار اور اصول دعوت میں نمایاں فرق ہے اور اصولی مماثلت کے باوجود اپنی جگہ پر یہ ایک ناقابل

تردید حقیقت ہے کہ حضرت سید احمد شہید (ش ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) اور مولانا اسماعیل شہید (ش ۱۲۴۶ھ) کی تحریک تجدید وجہاد پر نجدی دعوت کا بالکل اثر نہیں پڑا۔[۱]

بہرحال جہاں تک وہابیت کو ایک الگ مذہب اور گمراہ جماعت بتانے کی کوشش کی گئی ہے، یہ نام حد درجہ قابل اعتراض ہے ورنہ اس عام غلط بیانی اور بہتان تراشی سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو اس نام میں کوئی مضائقہ بھی نہیں معلوم ہوتا۔ تحریک اصلاح و تجدید کے داعی اور محمد بن عبدالوہاب کی طرف اگر نسبت کی جاتی، تو ان کے پیروؤں کو 'محمدی' کہنا چاہیے تھا، اور ظاہر ہے کہ مخالفین کی غرض محمدی کہنے سے نہیں پوری ہو سکتی تھی۔ اس لئے وہ اس جماعت کی نسبت داعی تحریک کے والد ماجد شیخ عبدالوہاب کی طرف کرنے لگے، اور اس طرح پر یہ نام (وہابی اور وہابیت) مشہور ہوا۔ اور پھر یہ نسبت ایسی چل نکلی کہ کتنے یوروپی مورخ اور تذکرہ نگاروں نے عبدالوہاب ہی کے سر تجدید و اصلاح کا سہرا باندھ دیا۔ [ملاحظہ ہو: براگجس: ۲، ۱۴۴]

---

[۱] ۔ افسوس کہ یہاں اس مسئلے پر تفصیلی بحث کا موقع نہیں۔ کتاب کی دوسری جلد (تحریک تجدید و امامت کی تاریخ) میں اس پر سیر حاصل بحث ہوگی۔ گی۔ مختصر طور پر راقم نے اپنے مضمون [الحرکتہ الوہابیہ الضیاء وہابیت: ایک دینی و سیاسی تحریک: الہلال (پٹنہ)، اپریل و مئی ۱۹۳۷ء) میں اس کی مدلل تردید کر دی ہے۔ سیرت سید احمد شہید (دوسرا ایڈیشن: ص ۴۴۳) میں بھی فاضل مصنف نے اس بحث کا خلاصہ دے دیا ہے۔

یہ صاحب Brydges تو اپنے زعم باطل میں یہاں تک لکھ گئے کہ "صاحب دعوت کے بیٹے محمد نابینا (حزیر) تھے" (ص۱۳۴) غلط در غلط اسی کو کہتے ہیں حالانکہ شیخ الاسلام کے بڑے بیٹے حسین بن محمد بن عبد الوہاب (م ۱۲۲۴ھ) ضریر تھے۔ ہندوستانی مجاہدین کے بڑے کرم فرما مسٹر Hunter. بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں، شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب کے ایک رسالے کا ترجمہ کرتے ہوئے، وہ مصنف کو بانی جماعت کا پوتا بتاتے ہیں (جنرل ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال: ۱۸۷۴ء، ۲/۱، ص۶۸)

بہر حال یہ دو مبصر اکیلے نہیں، ایک جماعت کی جماعت اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ بادیہ عرب میں گھومنے والے یوروپی سیاحوں کے پیشرو نی بور (ص۱۳۱-۱۳۲) نے بھی بانی جماعت کا نام عبد الوہاب ہی بتایا ہے اور کہتا ہے کہ "آج کل اس کے لڑکے محمد "جانشین ہیں" (ص۱۳۳ جلد دوم)؛ یہ واضح رہے کہ نی بور ۱۷۶۲ء میں (یعنی شیخ کی وفات سے ۲۸ برس پہلے) بلاد عرب میں موجود تھا لیکن اس باب میں سب سے دلچسپ غلط فہمی عیسائی مبلغوں کے سرخیل پادری زویمر کو ہوئی ہے، عام شہرت کے مطابق وہ وہابی اور وہابیت کو الگ دین یا مذہب سمجھا، پھر اس نے امام ابن قیم (م ۷۵۱ھ) کے افکار و آرا بھی وہابیوں سے ملتے جلتے دیکھے، جھٹ اس نے یہ اعتراض کر دیا کہ دیکھو "یہ

۱؎ برائجس کا ماخذ برک ہارٹ ہے اس نے بھی عبد الوہاب ہی کو جماعت کا بانی قرار دیا ہے (ص۹۶ ج ۲)؛ یہ تو یہاں تک بڑھ گیا، کہ بنو تمیم کی ایک شاخ الوہابی بھی اس نے وضع کر لی (ص۹۶)

وہابی ہیں، لیکن اپنے کو حنبلی کہتے ہیں" (المقتطف: ۲/۷۱: ۲۹۵؛ الزہراء: ۳/۲)
اس غریب کو یہ خبر نہیں، کہ وہابیت کی اصطلاح تو ابن قیم کے چار پانچ سو برس بعد رائج ہوئی۔

گو ہمارے پاس اس کا قطعی ثبوت نہیں، کہ پہلے پہل یہ نام کس نے رکھا؟ لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے، کہ یہ نام مخالفوں نے شیخ الاسلام کی زندگی ہی میں رکھ دیا تھا، مارگولیوتھ کا بھی یہی خیال ہے [انس. اسلام.] گو وہ اس باب میں سند نہیں لیکن دوسرے قرینے بھی اس کی تائید[1] میں ہیں:۔ شیخ الاسلام کے ایک معاصر (غالباً) ملا عمران بن رضوان (سنہ ؟[2]) کے ایک قصیدے [مجموعۃ الهدیة السنیة: ص۱۱۱] میں یہ لفظ آیا ہے:

ان کان تابع احمد متوهبا فانا المقر بانني وهابي

ایک مصری معاصر کا بھی یہ خیال ہے کہ یہ نام مخالفوں نے ابتدائی لڑائیوں کے زمانے ہی میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ (محمد حامد الفقی: ص۶-۵]

شیخ الاسلام کے یوروپی معاصر نی بور (Nibur) نے وہابیت کی

---

[1] داؤد بغدادی (م ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء) نے بھی صلح الاخوان میں یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ (بحوالہ Notes on Mohammadanism, ص۲۱۹)

[2] افسوس کہ کوشش کے باوجود صحیح سنہ کا پتہ نہیں چل سکا، بعض قرینے بتاتے ہیں کہ یہ شیخ کے معاصر نہیں تھے۔

[3] سب سے پہلا یوروپی سیاح جو ممالک عرب میں وارد ہوا (سنہ ۱۷۶۲-۵ء)؛ (ملاحظہ ہو: سفرنامہ، انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۷۹۲ء؛ ہوگارتھ: ص۷۴-۶۷)

اصطلاح استعمال نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت (۱۷۶۴ء) تک "وہابیت" کی اصطلاح رائج نہیں ہو سکی تھی البتہ وہ شیخ کی دعوت کو New Religion کہتا ہے، گو پھر آخر میں "عبدالوہاب کے نئے مذہب کو "محمدیت کی اصلاح" سے بھی تعبیر کرتا ہے (ص ۱۳۳-۵ جلد دوم) شیخ الاسلام کے تھوڑا عرصہ بعد دوسرے دو سیاحوں (علی بیگ عباسی بادیا Badie, (۱۸۰۷ء) اور برک ہارٹ (۱۸۱۴ء)] نے بھی نجدی تحریک اور دعوت سے بحث کی ہے، بادیا مصریوں کے قبضہ سے پہلے حجاز آیا تھا، افسوس کہ اس کا اصلی سفرنامہ دستیاب نہ ہو سکا، جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا کہ اس نے "وہابی" کی اصطلاح استعمال کی ہے یا نہیں۔ ہوگارتھ [ص ۸۱-۷۸] نے جو اقتباسات دئے ہیں، ان سے صحیح اندازہ نہیں ہوتا، برک ہارٹ ۱۸۱۴ء/۱۲۲۹ھ میں محمد علی مصری کے قبضے کے بعد حجاز آیا اور ۱۸۱۶ء میں اس نے "وہابیوں" سے متعلق یادداشت تیار کی (ج ۲ ص ۱۳۴) جو بعد کو دو جلدوں میں Notes on the Bedounins and the Wahabys, کے نام سے شائع ہوئی (۱۸۳۱ء) اس نے وہابی کی اصطلاح بار بار استعمال کی ہے، کتاب مذکور کی دوسری جلد کے بہت کم صفحے اس لفظ (وہابی) سے خالی ہوں گے۔ اسی کے لگ بھگ عبدالرحمن جبرتی (م ۱۲۳۸ھ) نے اپنی تاریخ مرتب کی، ان کے ہاں بھی وہابی کی اصطلاح بہ کثرت استعمال ہوئی ہے[1]، ۱۲۱۸ھ کے حوادث میں

---

[1] ملاحظہ ہو: جلد ۳ صفحہ ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۵۲، ۲۵۳، الخ الخ

لکھتے ہیں :-

"وحضر صحبة الحاج کثیر من اھل مکة ھم وبا من الوھابی ولفظ الناس فی خبر الوھابی واختلفوا فیه" عجائب الآثار : ج ۳ ص ۲۵۵

اس سے پتہ ملتا ہے کہ مصریوں کے حملہ حجاز کے وقت یہ اصطلاح' عام ہو چکی تھی۔ بعد کے لکھنے والوں نے اس جماعت کو ہمیشہ وہابی ہی کے نام سے یاد کیا' ہم نے ابھی کہا ہے کہ صرف نام میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن یہ نام (وہابی) اس طرح پر مشہور کیا گیا' کہ یہ گویا اسلام سے الگ کوئی مذہب ہے' اور یہی وجہ شکایت ہے' اور اسی لئے غلط بیانیوں کی فہرست میں ہم نے اس نام کو سب سے اونچی جگہ دی ہے۔

سب سے پہلا مفتری

سب سے پہلے سلیمان بن محمد بن سحیم[1] (م ۱۱۸۱ھ) نے شیخ الاسلام کی زندگی ہی میں غلط باتیں منسوب کرنا شروع کر دی تھیں (روضة الافکار ج ۱ ص ۳۷) اس نے دنیائے اسلام کے نام اپنی گشتی چٹھی[2] میں حسب ذیل الزام لگائے ہیں :-

جُبیلہ میں زید بن خطاب کی قبر کا انہدام' قبر کے پاس ایک مسجد کا انہدام' دلائل الخیرات اور روض الریاحین کو نذر آتش کرنا : ابن فارض اور ابن عربی

---

[1] پورا نام سلیمان بن محمد بن احمد بن علی بن سحیم ہے' اس کا باپ محمد بن احمد بھی دعوت کے مخالفوں میں تھا۔ (روضة : ۱/ ۳۸' السحب : ص ۳۱۳)

[2] یہ چٹھی روضة الافکار (ج ۱ ص ۴۲-۴۳) میں پوری نقل کی گئی ہے۔

کی تکفیر۔

سو زید اور ان کے ساتھیوں کی قبروں کا پتہ ہی نہیں (ص ۱۵۸ الا کمال الخیرات) اور روض الریاحین کے جلانے کی خبر بہتان ہے (ص ۱۶۷) البتہ ان کتابوں کے پڑھنے سے شیخ نے ضرور منع کیا تھا۔ ابن عربی، ابن فارض اور ان جیسے متصوفین کی تکفیر شیخ سے منقول ہے:۔

وقد کفر الشیخ ابن العربی وابن الفارض وامثالھما

(روضہ ج ۱ ص ۱۹۵)

دوسرے معاصر اور ان کی گالیاں

شیخ الاسلام کے بعض دوسرے معاصروں نے بھی ابن سحیم کا ہاتھ بٹایا لیکن ان کی کتابوں میں گالیوں اور افتراپردازیوں کے سوا کچھ نہیں۔ ان مخالفوں میں احمد بن علی بصری قبانی (ــــ۱۱۵۰ھ / ۱۷۴۷ء)[1]، محمد بن عبدالرحمٰن بن عفالق احسائی حنبلی (ــــ۱۱۷۰ھ / ۱۷۵۶ء)[2]، عبداللہ بن عیسیٰ مویس (م ۱۱۷۵ھ) اور ابن فیروز (م ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء)

---

[1] ان صاحبوں کے صحیح سال وفات نہ معلوم ہو سکے، یہ سنین کتاب کی تالیف کے ہیں۔ یا یہ کہ ان سنین میں اون کا موجود ہونا ثابت ہے۔

[2] السحب الوابلہ (ص ۲۶۴) میں ایک محمد بن عبدالرحمٰن بن حسین بن محمد بن عفالق الاحسائی (م ۱۱۶۴ھ) کا ذکر آتا ہے، پتہ نہیں، یہ کوئی دوسرے بزرگ ہیں، یا دونوں ایک ہی ہیں، بروکلمن (ذیل: ۲، ۵۰۷) نے ۱۱۷۰ھ کے لگ بھگ ان کا موجود ہونا بتایا ہے۔

[3] السحب الوابلۃ: ص ۱۶۱۔

زیادہ نام آور ہیں۔ ان صاحبوں کے بعد دوسری صف میں عفیف الدین عبداللہ بن داؤد زبیری حنبلی (م ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) احمد عبداللہ الحداد باعلوی تریمی شافعی (تیرھویں صدی ہجری، صحیح سنہ نہیں معلوم) کے نام آتے ہیں، ماخذ اور لٹریچر کے ضمن میں ان کتابوں کا ذکر کیا جائے گا' ابن غنام نے بھی ان میں سے اکثر کا ذکر کیا ہے (ج ا ص ۲۰۹) اور ابن فیروز کی ایک نظم کا جواب بھی دیا ہے (ج ۲ ص ۲۱۴) اب رہی ان صاحبوں کی گالیاں سو ان کے نقل کی ہمت نہیں پھر بھی ان کی غیرت اور متانت اخلاق کے اظہار کے لئے ایک اقتباس کی اجازت چاہتا ہوں' امید کہ اہل علم معاف رکھیں گے۔

عبداللہ بن داؤد زبیری (م ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) کی کتاب الصواعق والرعود (مخطوطہ مشرقی کتاب خانہ پٹنہ ۱۲۳۸ھ) کے آغاز میں دو تقریظیں ہیں۔ پہلی تقریظ محمد بن فیروز حنبلی (م ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء) کی لکھی ہوئی ہے (مورخہ ۱۸ صفر ۱۲۱۱ھ) اس تقریظ کے آغاز ہی میں حسب ذیل عبارت پر نظر پڑتی ہے' جسے دیکھ کر شاید شرم و حیا بھی پانی پانی ہو جائے' نقل کفر کفر نہ باشد لاحظہ ہو (ورق ا ب) :۔

"... بل لعل الشیخ [یعنی عبد الوہاب] غفل عن مواقعۃ امہ [یعنی محمد بن عبد الوہاب] فسبقہ الشیطان الیھا فکان اباھذا المارد الخ"

کیا لکھنو کی بھٹیارنیں اس سے زیادہ پھبتی کر سکتی ہیں؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لہ السحب الوابلۃ : ص ۱۵۶-۷

یہ تحریر ۱۲۱۰ھ کی ہے' ابن غنام (ج ۲ صفحہ ۲۱۱) ۱۲۱۱ھ کے حوادث میں انھیں ابن فیروز کی ایک نظم کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

"وقد وصل الينا من هاتيك الديار منظومة لابن فيروز

.... متضمنة لاقبح العار الخ"

جس سے پتہ چلتا ہے "کہ فحش گوئی ان صاحب کی سرشت میں داخل تھی۔

غلط بیانیوں کے نمونے

(الف) ادعاء نبوت: شیخ کی دعوت کے مخالفوں کو جب حرف رکھنے کا موقع نہیں ملتا تو وہ کہتے۔

"کہ اصل میں یہ نبوت کا دعویٰ کرنا چاہتے تھے' لیکن اخفاء سے کام لیا۔"

[مصباح الانام: ورق ۵' ۶]

اسی الزام کو احمد زینی دحلان (۱۲۳۲ھ۔۱۳۰۴ھ) ان لفظوں میں دھراتے ہیں:-

والظاهر من حال محمد بن	اور محمد بن عبدالوہاب کے حالات سے
عبدالوهاب انه يدعى	یہ پتہ لگتا تھا' کہ وہ نبوت کا دعویٰ
النبوة الا انه ما قدر	رکھتے ہیں' لیکن اس کے صاف
على اظهار التصريح بذلك (الدرر السنية صفحہ ۴۶)	صاف اعلان کی جرات نہ ہوئی۔

حیرت ہے کہ نی بوہر نے بھی سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر کے لکھ دیا' کہ "عبدالوہاب (؟) رسولوں کو بڑا آدمی سمجھتا تھا لیکن وہ الہام یا فرشتوں کے ذریعہ وحی کا قائل نہیں تھا" (سفرنامہ: جلد ۲: صفحہ ۱۳۲)

اس سلسلہ کا ایک اور شرمناک نمونہ ہمیں T. E. Revenshaw, کی

اس یادداشت[1] میں ملتا ہے جو اس نے پٹنہ کے کلکٹر کی حیثیت سے مولانا احمد اللہ صادقپوری[2] کے مقدمے میں لکھ کر دی تھی'

"اس مصلح کا خیال تھا کہ کبھی کسی انسان کو براہ راست اللہ کی طرف سے الہام نہیں ہوا' اور کوئی مقدس کتاب ایسی وجود میں نہیں آئی' جسے الہامی Divine, کہہ سکیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے' کہ عبدالوہاب (؟) کے خیال کے مطابق کوئی مذہب الہامی Divine ہوا ہی نہیں' اور اگر وہ 'محمدی' مذہب کو کہتا ہے' تو اس وجہ سے نہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے براہ راست آیا تھا' بلکہ صرف اس کی کاملیت کی وجہ سے۔"

پھر مزید ارشاد ہوتا ہے:۔

"اصلاح یافتہ مسلمان (محمڈن) کی ان بدوؤں میں خوب پذیرائی ہوئی' جنہوں نے محمد (ص) کو کبھی ایک Divine آدمی نہیں تسلیم کیا' اور نہ وہ قرآن کو الہامی کتاب مانتے تھے۔"

---

[1] کلکتہ گزٹ: ۲۰ ستمبر ۱۸۶۵ء ضمیمہ (صفحہ ۴۷-۳۷)

[2] مولانا احمد اللہ صادق پوری خاندان صادقپور پٹنہ کے ممتاز فرد اور حضرت سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں منسلک تھے' آپ پر ۱۸۶۵ء/۱۲۸۱ھ میں سازش کا مقدمہ چلا' ہائی کورٹ سے حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی' تقریباً ستر برس انڈمان میں رہ کر وہیں وفات پائی (ذی الحجہ ۱۲۹۸ھ/ نومبر ۱۸۸۱ء' تذکرہ صادقہ صفحہ ۵۱-۴۴)

۱۸۶۵ء میں ہمارے ضلع کے اس کلکٹر کی یہ یادداشت اسی قسم کی جہالت کے نمونوں سے بھری پڑی ہے، مجاہدین ہند کے مشہور کرم فرما سر ولیم ولسن ہنٹر W. W. Hunter, بھی اپنی کتاب (مسلمانان ہند: ص ۶۵-۵۵) میں ایک جگہ فرماتے ہیں:-

"بدووں نے محمد (ص) کو کبھی Divine. نہیں تسلیم کیا تھا اور نہ قران کو الہامی کتاب" الخ۔

غالباً ان کا ماخذ مسٹر راونشا کی ہی یادداشت ہے، اور ہوسکتا ہے، کہ ان دونوں کا ماخذ فی بور کا سفر نامہ ہو، کہ یورپ کو اس جماعت کے متعلق پہلی اطلاع اسی کے ذریعہ ملی۔

(ب) انکار حدیث:- زمانہ کی بوالعجبی بھی دیدنی ہے، وہ شخص جس کا اوڑھنا بچھونا سنت رسول ہو، اس پر انکار حدیث کا الزام رکھا جاتا ہے۔ اس بہتان تراشی کا سہرا بھی مصباح الانام کے مصنف احمد عبد اللہ الحداد باعلوی کے سر ہے (ملاحظہ ہو کتاب مذکور، ورق ۵، ۶) اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ اس بے سروپا بہتان کو ہمارے ملک کے ایک مشہور[1] اہل قلم (عبد اللہ یوسف علی) نے اس بیسویں صدی میں پھر دہرایا ہے:-

---

[1] یہ کچھ ان صاحب ہی پر موقوف نہیں، ہمارے ملک کے عالم و تعلیم یافتہ سب ایسی ہی بے سروپا باتیں اس جماعت کے متعلق لکھتے رہے ہیں، ان سب کے پیش رو ایک بزرگ مولوی فضل رسول بدایونی (م ۱۲۶۸ھ / ۱۸۷۲) نے ایک کتاب "تصحیح المسائل در تردید فرقہ نجدیہ اراذل"۔

"..... اور (کرامت علی) احادیث پر یقین رکھتے ہیں جنھیں وہابیوں نے مسترد کر دیا تھا۔"

"وہ قدیم اور صوفی عقائد کے حامی ہیں" (انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ: صد ١٩٢)

یہ ہے ہمارے مترجم قرآن کی واقفیت ایک اسلامی جماعت کے متعلق۔ اب آئیے ہم آپ کو عبرت اور تقابل کے لئے ایک متعصب پادری کا بیان سنائیں Thomas Petrick Hughes وہابی اور پروٹسٹنٹ جماعتوں کا باہمی مقابلہ کرتے ہوئے رقم طراز ہے:-

"وہابیت کو بااوقات اسلام کا پروٹسٹنٹ فرقہ بتایا جاتا ہے"...

.... اگرچہ بڑا فرق یہ ہے کہ عیسائی پروٹسٹنٹ مقدس الہامی کتابوں کی اعلیٰ حیثیت تسلیم کرتے ہوئے روایتی تعلیمات کو مسترد کرنا بھی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:-

لکھی ہے۔ جو خرافات کا مجموعہ ہے۔ ابھی ایک معاصر نے اپنی کتاب (آثار جمال الدین) میں بھی اس جماعت کے متعلق بے سروپا باتیں لکھدی ہیں (صـ ٣٣٦-٣٣٧) یہ دو صفحوں کا پورا بیان غلطیوں اور غلط فہمیوں کا افسوس ناک مجموعہ ہے۔ حد یہ ہے کہ ان کے ہاں "سنوسیوں اور نجدی وہابیوں کے عقائد کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں (صـ ٣٣٩)

غلطیہائے مضامین مت پوچھ۔

ضروری خیال کرتی ہے' اس کے برعکس وہابیت قرآن کے ساتھ ساتھ

حدیثوں پر بھی زور دیتی ہے . . . . . "

(ڈکشنری آف اسلام: صہ ۱۶۹ ملخص)

(ج) تکفیر و قتال مسلمین: شیخ الاسلام اور ان کے ماننے والوں پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ تمام اہل قبلہ کی تکفیر کرتے ہیں اور مسلمانوں سے قتال جائز سمجھتے ہیں' یہ الزام مختلف وقتوں میں بار بار دہرایا گیا ہے' خود شیخ کی زندگی میں بھی یہ الزام رکھا گیا تھا اور انہوں نے خود بھی اس کی صاف صاف تردید کی تھی' ملاحظہ ہو:

و اذ اکنا لا نکفر من عبد الصنم الذی علی قبة عبد القادر والصنم الذی علی قبر احمد البدوی وامثالهما لاجل جهلهم وعدم من ینبههم فکیف نکفر من لم یشرک باللہ اولم یهاجر الینا ولم یکفر . . . . سبحانک هذا بهتان عظیم ۵	اور جب ہم ان لوگوں کی تکفیر نہیں کرتے جو جہالت اور عدم تنبیہ کے سبب سے ان بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو (شیخ) عبدالقادر اور (شیخ) احمد بدوی اور ان جیسے بزرگوں کی قبروں پر بنے ہوئے ہیں تو پھر ہم ان لوگوں کی تکفیر کس طرح کر سکتے ہیں جنھوں نے شرک کا ارتکاب نہیں کیا یا ہجرت کر کے ہمارے پاس نہیں آئے اور کسی کفر کے مرتکب نہیں ہوئے . . . . سبحانک هذا بهتان عظیم ۵ [تبرئة الشیخین الامامین صہ ۱۲۲]

لیکن ان تردیدوں کے باوجود یہ الزام مختلف رنگ آمیزیوں کے ساتھ ساتھ بار بار دہرایا گیا ہے' دو تین مثالیں پیش ہیں:

ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء)[1] اپنے مشہور حاشیہ رد المحتار میں فرماتے ہیں:

"كما وقع في زماننا في اتباع عبد الوهاب (؟) الذين خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علمائهم" الخ

جیسا کہ ہمارے زمانے میں عبد الوہاب (؟) کے پیروؤں کے ساتھ پیش آیا یہ نجد سے نکلے اور حرمین پر قابض ہو گئے ظاہری طور پر یہ اپنے کو حنبلی کہتے تھے لیکن ان کا اعتقاد تھا کہ صرف یہی مسلمان ہیں اور ان کے اعتقاد کے خلاف سب مشرک ہیں اور اسی بنیاد پر انہوں نے اہل سنت اور ان کے علماء کا قتل روا رکھا۔

(ج ۳، باب البغاۃ، ص ۳۰۹)

احمد زینی دحلان (م ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء) کو تو اس جماعت سے اللہ واسطے کا بیر ہے اس نے بار بار اس الزام کو دہرایا ہے۔ (الدرر السنیۃ ص ۴۰-۶۰؛ خلاصۃ الکلام ص ۲۲۹-۲۳۰، ۲۳۴-۲۴۰)

ہمارے ملک کے نامور اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خاں صاحب (م ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء) بھی اس جماعت کے بارے میں کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے تھے ان کی مختلف کتابوں (ترجمان وہابیہ، ہدایۃ السائل، موائد العوائد، التاج المکلل وغیرہ) میں اس جماعت کے متعلق الجھے ہوئے بیانات ہیں البتہ اتحاف النبلاء میں ان کا بیان ایک حد تک اچھا اور حقیقت سے قریب تر ہے پھر بھی غیر مشروط تکفیر[2] کا الزام اس میں

---

[1] (۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء یا ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء) بروکلمن ذیل: ۲: ۷۷۳)

[2] نیز ملاحظہ ہو: رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۶ نمبر ۹: ص ۲۶۱-۲۴۔

موجود ہے ۱۳۱۷ھ اور تو اور محمد بن علی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) کو بھی اس باب میں اہل نجد کے مسلک کی صحیح صحیح اطلاع نہیں مل سکی تھی جس کے وہ خود بھی شاکی ہیں :-

ولکنہم یرون ان من لم یکن داخلاً تحت دولۃ صاحب نجد وممتثلا لاوامرہ خارج عن الاسلام	لیکن ان کا خیال ہے کہ جو امیر نجد کے دائرہ اطاعت سے باہر ہے وہ اسلام سے خارج ہے
..... وتبلغ عنھم اشیاء اللہ اعلم بصحتہا	ان کے بارے میں اور بھی طرح طرح کی باتیں معلوم ہوئی ہیں اللہ جانے کہاں تک صحیح ہیں؟

(البدر الطالع ج ۲ ص ۵)

پھر آگے چل کر "نماز باجماعت ترک کرنے والوں سے قتال" کی مخالفت کرتے ہیں لیکن تارک صلوۃ کی تکفیر جائز رکھتے ہیں۔ (البدر الطالع ج ۲ ص ۵)

اہل نجد پر تکفیر اہل قبلہ کا الزام اگر مخالفوں نے رکھا تو اس کی ایک طرح پر اصلیت بھی ہے اور اس میں معمولی لکھے پڑھے لوگوں کے لئے التباس کی گنجائش ہے۔ ہم یہاں پر اہل نجد کی زبان میں ان کا مسلک بیان کر دیتے ہیں جو کوئی نیا مسلک نہیں بلکہ حنابلہ اور ظواہر کا مشہور مسلک ہے۔

شیخ الاسلام کے شاگرد، احمد بن ناصر بن عثمان معمری نجدی (م ۱۲۲۵ھ) نے ۱۲۱۱ھ میں علمائے حرم شریف کے سامنے جو تین مسئلے پیش کئے تھے ان میں سے دوسرے کا خلاصہ ان کی زبان میں یہ ہے:

امامن قال لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جو "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہنے کے بعد بھی

وهو مقيم على شركه يدعو الموتى ويسألهم قضا الحاجات و تفريج الكربات فهذا كافر مشرك حلال الدم والمال وان قال لا اله الا الله محمد رسول الله وصلى وصام وزعم انه مسلم

شرک پر قائم ہے مُردوں سے دعائیں مانگتا ان سے ضرورتوں کے پورا کرنے اور مصیبتوں کے دور کرنے کی درخواست کرتا ہے تو وہ کافر اور مشرک ہے اس کا خون اور مال حلال ہے اگرچہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے نماز بھی پڑھتا اور روزے رکھتا ہے اور اپنے کو مسلمان بھی سمجھتا ہے۔ [الہدیۃ السنیۃ: ص۶۵]

اسی رسالے میں ابن معمر نجدی نے سستی سے نماز ترک کرنے والوں سے بھی قتال کو جائز رکھا ہے، اور زہری اور امام ابو حنیفہ کے علاوہ تمام ائمہ کا اجماع نقل کیا ہے[1] (الاجماع علی تارکی الصلوٰۃ کسلاً بخلاف ابی حنیفۃ والزہری: ص۷۱) تفصیل میں پڑنے کی گنجائش نہیں، حنابلہ کا یہ مشہور مسلک ہے اور اسی پر اہل نجد عامل ہیں، تارک صلوٰۃ کا کفر ان کے نزدیک متحقق ہے:

ومن لا يصل فهو لا شك كافر — كما قاله المعصوم المكمل سيد

اور جو نماز نہیں پڑھتا وہ بیشک کافر ہے — جیسا کہ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے

[سلیمان بن سحمان: الہدیۃ السنیۃ ص۱۰۵]

تارک صلوٰۃ کے بعد قبر پرستوں (عُبّاد قبور) کا مسئلہ آتا ہے شیخ کے پیش رو اور ہم مشرب معاصر محمد بن اسماعیل الامیر یمنی (م ۱۱۸۲ھ) بُت پرستوں

---

[1] تفصیل کے لئے: الہدیۃ السنیۃ: ص۸۶-۶۹

(عباد اصنام) اور قبر پرستوں کے درمیان بالکل فرق نہیں کرتے (تطہیر الاعتقاد ص۱۲) شوکانی نے ان کا 'رجوع' نقل کیا ہے اور عباد قبور پر اس تشدد کی سخت مخالفت کی ہے (الدر النضید ص۴۴-۴۵) سلیمان بن سحمان نے اس "رجوع" کی پرزور تردید کی ہے (تبرئۃ الشیخین الامامین ص۸۲-۸۳) اور یہی قرین قیاس ہے۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب بھی محمد بن اسماعیل الامیر کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ شیخ الاسلام اتمام حجت شرط قرار دیتے ہیں اور اسی لئے تمام مسلمانوں کی تکفیر نہیں کرتے۔

ومن جملة هذه الاكاذيب ما ذكره .... ان شيخ الاسلام محمد بن عبدالوهاب رحمه الله يسفك الدماء وينهب الاموال ويتجارى على قتل النفوس .... وتكفير الامة المحمدية في جميع الاقطار، وهذا كله كذب

انہیں افترا پردازیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب خون بہاتے ہیں اور مال لوٹتے ہیں اور لوگوں کے قتل کی جسارت کرتے ہیں اور تمام دنیا کے مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ سب سراسر جھوٹ ہے۔ (تبرئۃ الشیخین: ص۵۸)

اس عمومی تکفیر کی اہل نجد پرزور تردید کرتے ہیں لیکن اتمام حجت اور تبلیغ کے بعد تکفیر اور قتال کے قائل نظر آتے ہیں:

فلم يكفر رحمه الله الا عبّاد الاوثان من دعاة الاولياء والصالحين وغيرهم ممن اشرك بالله وجعل له اندادا بعد

تو شیخ رحمۃ اللہ نے صرف ان صنم پرستوں کی تکفیر کی جو اولیاء اور نیکوکار بندوں سے مرادیں مانگتے ہیں جنہوں نے حجت کے قیام اور طریق حق کی وضاحت کے بعد بھی،

اقامة الحجة ووضوح المحجة وبعد أن بدءوه بالقتال فحينئذ قاتلهم وسفك دماءهم ونهب أموالهم ومعه الكتاب والسنة وإجماع سلف الأمة (تبرئة الشيخين: ص ۸۱)

شرک کا ارتکاب اور اللہ کا شریک ٹھہرایا اور پھر انہوں نے قتال میں بھی پیش قدمی کی تب شیخ نے ان سے قتال کیا اور ان کا خون بہایا اور ان کا مال لوٹا اور کتاب و سنت اور سلف کا اجماع سب ان کی تائید میں ہیں۔

یہاں اتمام حجت کے علاوہ ایک دوسرا عذر بھی ہے اور وہ یہ کہ مخالفوں نے قتال کی ابتدا کی۔ ایک دوسری جگہ شیخ کا یہ قول منقول ہے:

بجنس هؤلاء المشركين وأمثالهم ممن يعبد الأولياء والصالحين نحكم بأنهم مشركون ونرى كفرهم إذا قامت عليهم الحجة الرسالية (الهدية السنية: ص ۳۲)

تو یہ اور ان جیسے مشرک جو ولیوں اور نیکوکار بندوں کی پرستش کرتے ہیں، ان کے بارے میں ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ تبلیغی حجت قائم ہو جانے کے بعد ہم ان پر شرک کا حکم لگاتے ہیں اور ان کو کافر سمجھتے ہیں۔

ان اقتباسات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شیخ اور ان کے پیرو تکفیر اور قتال کے لیے تبلیغ اور اقامت حجت شرط قرار دیتے ہیں، اسی لیے عمومی تکفیر کے الزام کی یہ پرزور تردید کرتے ہیں، البتہ قبر پرستی اور ظاہری مشرکانہ اعمال کو یہ صرف کفر عملی نہیں سمجھتے جیسا کہ عام طور پر علمائے اسلام کفر عملی اور کفر اعتقاد کے درمیان فرق کرتے ہیں۔[۱]

---

[۱] رسالہ اشاعۃ السنۃ (ص ۵ جلد ۶ : ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء) نے ہندوستان کے اہل حدیث [illegible]

یہ توحید ربوبیت' کو کافی نہیں سمجھتے' بلکہ توحید الوہیت' کو بھی اسلام کے لئے ضروری اور بنیادی شرط قرار دیتے ہیں' اللہ کو صرف خالق' اور مدبّر کائنات' سمجھنے سے نجات نہیں ہو سکتی۔ 'توحید ربوبیت' کے تو اہل جاہلیت بھی قائل تھے۔ البتہ وہ 'الوہیت' میں شریک کرتے تھے' اور اسی لئے وہ ہر شجر حجر کو جس کی وہ پرستش کرتے' الٰہ ہی کے نام سے موسوم کرتے۔ اس زمانے کے جاہلوں اور مشرکوں نے غیر اللہ کو الٰہ کہنے سے تو پرہیز کیا' لیکن الوہیت کے تمام لوازم (نذر' دعا' طواف' قربانی وغیرہ) غیر اللہ کے لئے بھی عام کر دئے۔ اور اس کا نام 'توسل' یا 'استشفاع' رکھ دیا تو نام رکھنے سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :-

اختلاف اس مسلک سے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے :-

"اہل حدیث ہند وہابیہ نجد سے تکفیر و قتل اہل مخالفین میں مخالف ہیں" صلہ ۲۱

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بھی موائد العوائد میں اس پر بہت زور دیا ہے لیکن ان کا طرز بیان الجھا ہوا ہے' اور کرنل فنڈ یک امریکی کی کتاب المراۃ الوضیۃ فی الکرۃ الارضیۃ پر اعتماد کے باعث بہت سی غلط باتیں بھی لکھ گئے ہیں جن سے اہل نجد کا دامن پاک رہا ہے' رسالہ اشاعت السنۃ بھی اس باب میں نواب صاحب کا ثنا کی ہے' (صلہ ۲۰۶ جلد ۶ ے)

[1] "تبرئۃ الشیخین الامامین" کے حاشیہ میں ایک جگہ پر (صلہ ۱۲۴) علامہ سید رشید رضا مرحوم نے ایک دلچسپ بات لکھی ہے : وہ کہتے ہیں کہ اہل جاہلیت صحیح

یہ ہے خلاصہ شیخ کے مسلک کا ۔ جماعت کی کتابوں میں اس مسئلے کی پوری پوری وضاحت کی گئی ہے ۔ سلیمان بن سحمان کی تبرئۃ الشیخین الامامین (ص ۸۲-۲۱۵) تو اسی کے لئے وقف ہے ۔ "مآخذ" کے ضمن میں دوسری کتابوں کا ذکر آتا ہے، تفصیل کے لئے ان کی طرف رجوع کرنا مناسب ہوگا، یہاں پر صرف ایک بات ذہن نشین کر لینا چاہئے" کہ اہلِ نجد مسلمانانِ عالم کی عمومی تکفیر نہیں کرتے، بلکہ صرف ان لوگوں کی جو مشرکانہ اعمال میں گرفتار ہیں ۔ اور تبلیغ و دعوت کے بعد بھی اپنی گمراہی سے باز نہیں آتے، اور ایسے لوگوں سے قتال بھی جائز قرار دیتے ہیں ۔

شیخ نے اپنی مختلف کتابوں میں اس حقیقت کو بار بار دھرایا ہے [ملاحظہ ہو اربع قواعد (باب تصنیفات) اور حضرت ابوبکرؓ کے قتال مانعینِ زکوٰۃ سے بار بار استدلال کیا ہے (روضۃ الافکار، ج ۱: ۱۳۷، ۱۸۵؛ ۲: ۳۶) مندرجۂ بالا اقوال و اقتباسات میں، جہاں تردید ہے، وہ اسی عمومی تکفیر کی تردید ہے ۔ اور جہاں اس کا اعتراف ہے وہاں اتمامِ حجت اور تبلیغ کے بعد بھی مشرکانہ اعمال پر اصرار کرنے والوں سے متعلق ہے ۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۶) لغت کی واقفیت کی بناء پر اپنے معبود (شجر ہو یا حجر) کو الٰہ ہی کہتے تھے، اس لئے کہ اس لفظ کے صحیح معنی یہی ہیں، اس کے برعکس ہمارے زمانے کے مشرک لغت اور زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ سمجھے کہ اسلام غیر اللہ کو الٰہ کہنے سے روکتا ہے، ورنہ عبادت کی تمام باتیں (دعاء موتیٰ، نذر، قربانی، طواف بقبور الاولیاء) ان کے نزدیک توحید کے منافی نہیں ۔ تو اس طرح پر مشرکینِ جاہلیت نے صرف دین پر

اگر الزام عائد کیا جائے اور اس کا منشا بھی بتا دیا جائے، تو انسان غور کرسکتا ہے، اور ممکن ہو تو غلط فہمی کے ازالہ کی بھی کوشش کی جاسکتی ہے، لیکن خواہ مخواہ کی بدگمانی اور بے بنیاد غلط بیانی پر تو صرف اظہار افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر انتہائی دُکھ ہوا کہ اِس دور میں بھی ہمارے مُلک کے بعض مشہور علماء، شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب کے متعلق عجیب وغریب خیال رکھتے تھے، مولانا سید انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء) جیسے عالم کا شیخ کے متعلق یہ لکھنا:-

أمّا محمد بن عبد الوهاب النجدي	اور محمد بن عبدالوہاب نجدی تو
فانه کان رجلا بلیدا قلیل	ایک کم علم اور کم فہم انسان تھا،
العلم فکان یتسارع الی الحکم	اور اسی لئے کفر کا حکم لگانے میں
بالکفر۔ (فیض الباری علی صحیح البخاری جلد ۱ ص ۱۷۱)	اُسے کوئی باک نہیں تھا۔

تو حد درجہ افسوسناک اور تکلیف دہ ہے۔ حیرت ہے کہ کتاب التوحید کے مصنف کو مولوی سید انور شاہ صاحب نے 'بلید' اور "قلیل العلم" کہنے کی جرأت کیسے کی؟

(د) عام غلط بیانی شیخ اور ان کے ماننے والوں کے متعلق طرح طرح کی بے بنیاد باتیں شروع ہی سے کہی جانے لگی تھیں، شیخ الاسلام کے صاحبزادے شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے اس رسالے میں بھی جو انھوں نے

(بقیہ ص ۱۷۷) ظلم کیا اور اس زمانے کے مسلمان مشرکوں نے دین اور زبان دونوں پر ظلم کیا۔
(ولذالک قلت ان مشرکی المسلمین قد جنوا علی الدین واللغة العربیة و مشرکی الجاهلیة حافظوا علی لغتهم فسموا کل شیء باسمه)

۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء میں اہلِ مکہ کے لئے لکھا تھا اس قسم کی غلط بیانیوں کی تردید کی گئی ہے۔[1]

واما ما يكذب علينا ستر الحق ..... بانا نفسر القرآن برأينا ونأخذ من الحديث ما وافق فهمنا ...... وانا نضع من رتبة نبينا صلى الله عليه وسلم بقولنا: النبي رمة في قبره وعصا احدنا انفع منه وليس له شفاعة وان زيارته غير مندوبة ..... وانا مجسمة وانا نكفر الناس على الاطلاق ..... فجميع هذه الخرافات واشباهها ..... كان جوابنا في كل مسألة من ذالك سبحانك هذا

اور یہ حق پوشی کی راہ سے ہمارے متعلق جھوٹ کہا جاتا ہے کہ ہم قرآنِ مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے ہیں اور حدیث نبوی سے اسی قدر لیتے ہیں جو ہمارے فہم (اور ذوق) کے مناسب ہو؛ اور یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کے لئے "النبی رمۃ فی قبرہ" (نبی کریم قبر میں ایک بوسیدہ ہڈی سے زیادہ نہیں) اور "عصا احدنا انفع منہ" (ہم میں سے کسی ایک کی چھڑی ان سے زیادہ نفع بخش ہے) جیسے (گستاخانہ) فقرے کہا کرتے ہیں؛ اور یہ کہ رسولِ کریم (ص) کو شفاعت کا حق نہیں ہوگا؛ اور یہ کہ قبرِ اطہر کی زیارت

[1] آلوسی نے تاریخ نجد میں (ص ۴۹-۵۵) اور نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اتحاف النبلا (ص ۴۱۴-۴۱۶) میں رسالے کا یہ حصہ پورا پورا نقل کیا ہے۔

مُنتخب نہیں ہے؛ .... اور یہ
یہ کہ ہم تجسیم کے قائل ہیں؛ اور یہ کہ
ہم تمام لوگوں کی علی الاطلاق تکفیر
کرتے ہیں؛ تو ان سب اور ان جیسی
دوسری بے سروپا باتوں میں سے
ہر ایک کے متعلق ہمارا جواب "سُبحانک
ہٰذا بُہتانٌ عظیم" کے سوا کچھ نہیں ہے"

بہتانٌ عظیم۔
(الہدیۃ السنیۃ ص۴۶)

(ھ) اِنہدام قُبّہ نبوی | مخالفوں نے ایک بے بنیاد الزام یہ بھی تراشا کہ سعود بن عبدالعزیز بن محمد بن سعود (۱۸۰۳ء / ۱۲۱۸ھ - ۱۸۱۴ء / ۱۲۲۹ھ) نے قبہ نبوی کو بھی منہدم کرا دیا تھا؛ یہ عجیب بات ہے کہ یورپی مورخوں نے خواہ مخواہ اس بے سروپا افسانے کو مزے لے لے کر بیان کیا ہے۔ سٹارڈ (حاضر: ۱، ۲۶۴)؛ Hughes (ڈکشنری آف اسلام: ص۶۶۰)؛ زویمر (ص۱۹۵)؛ بلنٹ (فیوچر آف اسلام ص۴۵)؛ مارگولیوتھ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس: ۱۲؛ ۶۶۱)[1] اور ان کے علاوہ ایک جماعت ہے؛ جس نے اس بے بنیاد الزام کو موقع بے موقع دہرانے کی کوشش کی ہے حالانکہ یہ بالکل بے بنیاد اور سرتاپا افترا ہے؛ اس کی تعمیر[2]

۱؎ Encyclopedia of Religion and Ethics Vol. XII 11 Wahhabis عنوان 660-662

۲؎ اس قبہ کی تعمیر ملک منصور قلاوون صالحی کے اہتمام سے ۶۷۸ھ میں ہوئی۔
(تطہیر الاعتقاد، ص۲۱ بحوالہ تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الہجرۃ)

کے متعلق ان کا جو کچھ بھی خیال ہو لیکن قبۃ الرسول کی طرف بری نگاہ سے دیکھنے کی بھی انھوں نے کبھی جرأت نہ کی، عام قبوں کے انہدام اور زر و جواہر کی تقسیم کا وہ خوشی خوشی ذکر کرتے ہیں (ملاحظہ ہو دوسرا باب) یہاں ان کے متعلق ازراہِ الزام جو کچھ کہا جاتا ہے، وہ خود اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ لیکن یہ الزام واقعی بہتان ہے اور قبۃ الرسول کے ساتھ سوءِ ادب کی روایت یکسر بے بنیاد اور افترا ہے۔

برائجس (Brydges) (جو اہلِ نجد کے دورِ عروج میں بصرہ اور بغداد میں رہ چکا ہے) اس افترا کی تائید تو نہ کر سکا، لیکن اہلِ نجد کی نیت پر حملہ کرنے سے بھی باز نہیں رہا، وہ لکھتا ہے:۔

"اس نے (سعود بن عبدالعزیز) قبہ شریفہ کے انہدام کا بھی ارادہ کیا لیکن غالباً قبے کے استحکام یا منہدم کرنے والے آلات کی کمی کے باعث ایسا نہ کر سکا، اور قبہ محفوظ رہ گیا۔" (صہ ۳۴)[1]

ان برائجس صاحب کی شخصیت اور ان کے بیان کی اہمیت تو اگلے باب سے معلوم ہو گی یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ یہ بصرہ ۱۸۰۴ء میں آچکا تھا یعنی شیخ الاسلام کی زندگی ہی میں عرب علاقوں سے اس کا تعلق پیدا ہو گیا تھا، جو مختلف حیثیتوں میں ایک عرصہ تک قائم رہا۔

---

[1] برائجس صاحب کے پیش رو اور پیرِ مغاں برک ہارٹ (جس کی کتاب سے وہ تقریباً حرف بہ حرف نقل کرتا ہے) نے صرف اس قدر لکھا تھا۔

"اس نے مقبرے کے بڑے گنبد کو بھی گرانے (Destroy) کی بھی کوشش کی" (ج ۲ صہ ۱۹۹)

ایک واقف کار انگریز کی شہادت | غلط بیانیوں اور افترا پردازیوں کا ایک انبار ہے

کہاں تک انھیں کھنگالا جائے، اب ہم اس گفتگو کو Brydges

کے ایک اقتباس پر ختم کرتے ہیں، جہاں اس نے بعض غلط بیانیوں کی تردید

کی ہے :-

"باب عالی نے مشہور کیا کہ اُس نے (سعود بن عبد العزیز) مدینہ منورہ

کی زیارت سے لوگوں کو روک دیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں اس نے صرف

روضہ (مطہرہ) کے سامنے مشرکانہ اعمال کے ارتکاب سے منع کیا

ہے جیسا کہ پہلے اولیا کی قبروں پر بندش کر چکا ہے۔ (ص۳۴)

"بعض جاہل انھیں کافر سمجھتے ہیں، افواہوں پر ترکوں نے اعتماد کیا، اشرار فرنگیہ

نے اسے ہوا دی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر پورے عامل ہیں

برک ہارٹ نے صحیح لکھا ہے یہ سب غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا۔ اصل میں یہ اسلام

کے اندر خالص تطہیر' (Puritanism) کی تحریک تھی۔"

"ایک بے وقوف فرینچ نے ۱۸۰۸ء میں لکھا کہ یہ کوئی نیا مذہب ایجاد

کر رہے ہیں، نیز وہ سعود کے "خاص آدمی" کی زبانی حج کی منسوخی کا بھی ذکر کرتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۸۱) براجز نے غالباً سے حاشیہ آرائی کی کوشش کی ہے، لیکن برک ہارٹ

کی اطلاع یقینی غلط ہے۔ آگے چل کر وہ خود لکھتا ہے کہ "مقبرے کو گزند نہیں پہنچا"

The tomb was (برک ہارٹ: ۲: ۲۰۰) نیز ملاحظہ ہو: ۲: ۱۰۹-۱۱۰)

left uninjured

یہ سب جھوٹ ہے، وہابی قرآن کی طرح حدیث کو بھی اصولی چیز (Fundamental) مانتے ہیں۔ البتہ اولیاء اور انبیاء کو یہ انسان مانتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد سعود نے جو اعلان کیا تھا، وہ آج بالکل کتاب وسنت کے مطابق تسلیم کیا جاتا ہے۔ تمباکو نوشی مالکیہ کے ہاں ممنوع ہے، انھوں نے بھی ممنوع کیا۔"

"البتہ قہوہ کے امتناع کی خبر بالکل غلط ہے، اسے ترکوں نے پروپگنڈے کے طور پر مشہور کیا۔ جس بے وقوف فرنگی[۱] نے حج کے تعطل کا ذکر کیا ہے، اُسے جاننے چاہیئے تھا کہ سعود نے صرف حج کے بُرے مراسم کو روکا تھا۔ مکہ میں داخلہ کے بعد اس نے جو پہلا کام کیا وہ طواف وعمرہ کی ادائگی تھی..........،

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو برکہارٹ[۲] کی کتاب: ص۱۱۴-۱۰۶)

ایک عجیب افتراء | سلیل بن رازق کی Imams and Syeds of Oman (ص ۳-۲۵۱) میں ایک بدوی شیخ کی زبانی یہ افسانہ نقل کیا گیا ہے کہ "وہابیوں کے پاس قرآنِ مجید کا وہ حصہ بھی ہے جسے حضرت عثمانؓ نے اپنے مصحف سے حذف کر دیا تھا" الخ الخ۔

خیریت یہ ہے کہ مترجم نے خود اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

---

[۱] Rousseau نے ۱۸۰۸ء میں مندرجہ ذیل دو کتابیں لکھیں جس میں اُس نے وہابیوں پر حج کے روکنے کا بے بنیاد الزام رکھا ہے۔

(۱) Pashalik de Baghdad

(۲) (A Memoirs in the Mines de la orient) (برک ہارٹ: ص۱۰۳)

(حاشیہ ۳۵۲-۳، دیباچہ ص ۱۱-۷۱ x) اور شاید اِسی لئے کسی نے اُسے دُہرایا نہیں - ہم نے یہاں صرف مخالفوں کی اوچھی حرکتوں اور احمقانہ افترا پردازیوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے اس کا ذکر کر دیا، جو لوگ "تلفیق اکاذیب" میں اس حد تک جا سکتے ہیں، ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۳) ۵۲ براخ کا سارا بیان برک ہارڈٹ سے ماخوذ ہے (ملاحظہ ہو: جلد ۲ صفحہ ۱۱۵-۱۱۲ نیز صفحہ ۲۰۵-۲۰۰)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چھٹا باب

ماٰخذ اور لٹریچر

(۱) تاریخی

(۱) روضۃ الافکار والافہام لمرتاد حال الامام وغزوات ذوی الاسلام

(الف) مُصنّف حسین بن غنام احسائی (م ۱۲۲۵ھ)

یہ کتاب شیخ کی سیرت پر سب سے زیادہ مستند کتاب ہے مُصنّف شیخ کے شاگرد اور واقعات کے عینی شاہد ہیں۔ کتاب دو جلدوں میں ہے، پہلی جلد میں ذاتی حالات، دعوت اور تبلیغی رسالوں کا ذکر ہے، بعض طویل رسائل پورے پورے اس میں نقل کر دئے گئے ہیں۔ دوسری جلد جنگوں اور مختلف واقعات کی تاریخ پر مشتمل ہے، ترتیب سنہ وار ہے ۱۱۶۰ھ سے شروع ہو کر ۱۲۱۲ھ پر کتاب ختم ہوتی ہے۔

مطبع مُصطفویہ بمبئی میں چھپی تھی (۱۳۳۷ھ)، لیکن اس وقت گویا نایاب ہے

بروکلمن کو بھی اس مطبوعہ نسخے کا پتہ نہیں تھا، اس کا ایک نہایت اچھا قلمی نسخہ ندوۃ العلماء کے کتاب خانے میں ہے۔ ہمیں مطبوعہ نسخہ شرف الدین واؤلادہ محمد علی روڈ بمبئی کی عنایت سے مستعار ملا جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

(۲) عنوان المجد فی تاریخ نجد: مصنف عثمان ابن بشر نجدی[۱] (م ۱۲۸۸ھ)۔

مصنف نے شیخ کے فرزندوں اور سعود بن عبد العزیز (۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء - ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء) کا زمانہ پایا ہے۔ کتاب کا آغاز شیخ کی سیرت اور ۱۱۵۸ھ کے واقعات سے ہوتا ہے پہلی جلد ۱۲۳۶ھ کے واقعات پر ختم ہوتی ہے، دوسری جلد ۱۲۶۷ھ کے واقعات پر ختم ہو جاتی ہے، مصنف نے شعبان ۱۲۷۰ھ میں کتاب کی تبییض سے فراغت حاصل کی۔

تفصیل اور واقعات کی تنقیح کے لحاظ سے، اسے ابن غنام کی کتاب پر ترجیح حاصل ہے، پہلے بغداد میں ناقص چھپی تھی (۱۳۲۸ھ) ہمارے سامنے مطبعہ سلفیہ مکہ مکرمہ کا طبع شدہ مکمل نسخہ ہے (۱۳۴۹ھ)

واقعات کی تدوین میں ہم نے زیادہ تر اعتماد انھیں دونوں کتابوں پر کیا ہے، شیخ کی دعوت اور آلِ سعود کی تاریخ پر یہ دونوں کتابیں اصل اور اُم، کا حکم رکھتی ہیں۔

(۳) ان دو کتابوں کے علاوہ ایک تیسری کتاب تیسیر الوجد فی معرفۃ انساب ملوک نجد

---

[۱] بروکلمن (ذیل: ۲، ۵۳۱) نے ابن بشر (م ۱۲۸۸ھ) اور عثمان بن قائد النجدی الحنبلی (م ۱۰۹۷ھ، السحب الوابلہ ورق ۸۸ ب، عنوان المجد ص ۸۶) صاحب نجاۃ الخلف باعتقاد السلف کے درمیان خلط کر دیا ہے۔

کا ذکر بھی آتا ہے جو شاید ملوکِ نجد کی تاریخ میں اصل Original

اور ماخذ کا کام دے سکے مار دتمان (انس اسلام، مقالہ ابن سعود)، اور

خیر الدین زرکلی (الاعلام: ۳۶۸، ۵۵۸، ۱۰۴۰ الخ الخ) نے اس کا حوالہ دیا

ہے، اُس کے مُصنّف رشید بن علی حنبلی غالباً[1] ابنِ بشر کے معاصر ہوں گے، افسوس

کہ ہمیں یہ کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۴) عجائب الآثار فی التراجم والاخبار مصنف عبدالرحمٰن بن حسن جبرتی

مصری (۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء — ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۲ء؛ بروکلمن: ذیل: ۲، ۷۳۰)۔ اس کی ترتیب

بھی سنہ وار ہے، ۱۱۰۰ھ کے حوادث سے شروع ہو کر ۱۲۳۶ھ کے حوادث

پر ختم ہوتی ہے۔ محمد علی پاشا کے حملوں اور مصر و حجاز کی آویزش پر اس کی

شہادت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ مصر اور اس کے متعلقات میں ہم نے

جبرتی کے بیان کو ترجیح دی ہے۔ (مطبوعۂ مصر: ۱۲۹۷ھ: چار جلدوں میں)

(۵) خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام: مصنف احمد بن زینی دحلان[2]

مکی شافعی (۱۲۳۲ھ — ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء)۔ اس کتاب میں اشرافِ مکہ کی مکمل

تاریخ ہے، مکہ مکرمہ کے آخری دور کے حکام کی اتنی تفصیلی تاریخ مجھے اور کوئی

نہیں ملی اس لئے دحلان پر عدمِ اعتماد کے باوجود، اشرافِ مکہ سے متعلق اس کے

بیانات کو اہمیت دینا پڑی۔ یہ کتاب ۱۳۰۰ھ میں تالیف ہوئی (ص ۳۱۳)۔

علامہ سید رشید رضا مرحوم نے الہدیۃ السنیۃ کے حاشیہ (ص ۲) میں لکھا ہے کہ

---

[1] کوشش کے باوجود، صحیح زمانہ متعین نہ ہو سکا، [2] ان کی دوسری تصنیفات کے

لئے ملاحظہ ہو: (بروکلمن: ۲، ۴۹۹؛ ذیل: ۲، ۸۱۰)۔

یہ "دعوت کے ظہور کے زمانے میں مکہ مکرمہ میں مفتی تھے اور اپنے آقایان ولی نعمت کے چشم و ابرو کے اشارے پر اس جماعت کے متعلق غلط باتیں مشہور کیا کرتے تھے" ـــــ انھوں نے غلط بیانی اپنے یقین و اعتقاد کی بنا پر کی ہو، یا کسی کے اشارے پر، اس سے ہمیں بحث نہیں۔ البتہ یہ کہنا غلط ہے کہ یہ "دعوت کے ظہور" کے زمانہ میں مفتی تھے۔ ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء میں درعیہ برباد ہوا، اور دعوت کا "ظہور" بہر دست ختم ہو گیا تھا۔ مفتی احمد زینی دحلان کے شباب میں مکہ مکرمہ میں شاید کسی نجدی کا گذر بھی نہ ہوتا ہو۔

(۶) فتاوی و افادات عبد الوہاب الخ (مخطوطہ فارسی)۔ یہ ایک مختصر سا قلمی رسالہ ہے، جس میں امیر عبد العزیز بن سعود (سنہ ۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۵ء – سنہ ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء) کی طرف سے فتح علی شاہ قاچار (سنہ ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۸ء – سنہ ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء) کے نام ایک مکتوب اور بلاغِ عام ہے، اور آخر میں فتح علی شاہ کا جواب اور دھمکی ہے (مورخہ ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۴ء: مخطوطہ مشرقی کتاب خانہ: فارسی دستی فہرست ۱۳۳۴ ع؛ فہرست انگریزی مشروح ۱۳۳۷)

(۷) البدر الطالع محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی (۱۱۷۳ھ / ۱۷۶۰ء – سنہ ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء؛ بروکلمن: ذیل: ۲: ۸۱۸) کی البدر الطالع (ج ۱ ص ۲۶۳؛ ج ۲ ص ۵) میں گو آلِ سعود کے متعلق صرف مختصر "تراجم" ہیں، پھر بھی ان کی ایک قیمت ہے۔ کہ محدث شوکانی نے بڑی عمر پائی اور شیخ سے لے کر آلِ سعود کا عروج و زوال دونوں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(ب)

(۸) تاریخ نجد: مصنفہ محمود شکری آلوسی (۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء – سنہ ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء)۔ نجد کی مختصر تاریخ ہے، جس میں شیخ کی دعوت اور آلِ سعود کی تاریخ کا بھی تذکرہ

ہے، معلومات عام طور پر صحیح ہیں، ابنِ غنام اور ابنِ بشر ان کے مآخذ ہیں، شیخ اور ان کے شاگردوں کی تصنیفات بھی اُن کے پیشِ نظر تھیں ــــ مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۴۳ھ

(۹) الرحلۃ الحجازیۃ مصنفہ محمد لبیب بتنونی اس میں اشرافِ مکہ کی حکومت کا بیان مختصر اور مرتب ہے۔ غالباً ان کا زیادہ تر اعتماد دحلان کی خلاصۃ الکلام پر رہا ہے۔ محمد بن عبد الوہابؒ اور ان کی دعوت کا بھی ذکر ہے لیکن صحتِ روایت کا التزام نہیں (ص ۸۳-۹۴) ــــ مطبوعہ مصر ۱۳۲۹ھ (طبع دوم)

(۱۰) حاضر العالم الاسلامی (۴، ص ۱۷۲-۱۶۱) تاریخ نجد الحدیث، کے عنوان سے امیر شکیب نے شیخ اور آلِ سعود کے متعلق ایک الگ فصل اپنی کتاب میں دی ہے، ان کا مآخذ زیادہ تر غیروں کی کتابیں ہیں، اس لئے غلطیوں سے خالی نہیں، پھر بھی غنیمت ہے۔ اور اس کے پڑھنے سے ایک اجمالی خاکہ ذہن میں آجاتا ہے۔

(۱۱) الزہراء (رجب ۱۳۴۵ھ، ۳، ۷)۔ محب الدین خطیب کا شیخ کی زندگی پر ایک مختصر اور جامع مقالہ۔ خطیب نے زیادہ تر ابنِ بشر اور ابنِ غنام سے اخذ کیا ہے، اس لئے بیانات مستند ہیں، ایک آدھ جگہ عنوان المجد کا بھی حوالہ ہے۔ راقم نے کتاب کے پہلے باب میں اس مضمون سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ گو ان کے اصلی مآخذ بھی میرے سامنے تھے۔

(۱۲) اثر الدعوۃ الوہابیۃ فی جزیرۃ العرب: محمد حامد فقی کا ایک مختصر

سلہ نیا ایڈیشن: قاہرہ ۱۹۳۲ء

رسالہ ہے، جس میں شیخ کی دعوت پر ہمدردانہ انداز میں بحث کی گئی ہے مصنف کے تعلقات علمائے نجد سے بھی گہرے ہیں، اس لئے ان کی معلومات مستند اور اور ایک حد تک official بھی کہی جا سکتی ہیں، مگر افسوس کہ انھوں نے کہیں حوالہ نہیں دیا عرب معاصروں[1] نے اور بھی کتابیں لکھی ہیں، لیکن کسی نے تحقیق و تاریخ نگاری کا فرض ادا نہیں کیا (مطبوعہ مصر: ۱۳۵۴ھ) طوالت کے خوف سے ہر ایک پر الگ تبصرہ نہیں کیا جا سکا۔

(۱۲ الف) **جزیرۃ العرب فی القرن العشرین لحافظ وہبہ** - یہ ایک جامع کتاب ہے اور اس کے مصنف سلطان عبد العزیز بن عبد الرحمن آل سعود موجودہ فرمانروائے نجد و حجاز کے معتمد علیہ ہیں۔ کتاب اچھی اور پر معلومات ہے، دعوت (ص ۳۴۷-۳۳۱) آلِ سعود (ص ۲۷۰-۲۴۳) اور اخوان (ص ۳۳۳-۳۱۱) پر بھی تین الگ فصلیں ہیں، غلطیاں بہت کم اور زیادہ تر سنین کی تطبیق کی ہیں، محمد بن سعود کی وفات کی تاریخ ۱۷۶۵ء کی جگہ ۱۷۶۶ء دی ہے (ص ۲۴۴) اسی طرح شیخ کی وفات ۱۷۹۱ء میں درج کی ہے (ص ۳۳۸) حالانکہ صحیح ۱۷۹۲ء ہے، اور بھی

[1] معاصروں میں امین ریحانی مشہور شامی عیسائی ادیب کی کتابوں کا بڑا غلغلہ ہے ان کے انگریزی اور عربی اڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل چکے ہیں، ان کی ملوک العرب ہماری نظر سے گزری معلوم ہوا کہ ایک اخبار نویس سے زیادہ ان کے معلومات کو وقعت نہیں دی جا سکتی، موجودہ جدید طرز کی انشا ہے، دلچسپی ہے، مگر سوادنہیں، تحقیق تو سرے سے مفقود ہے۔ دوسری کتاب کے متعلق بے دیکھے ہوئے کچھ کہنا دشوار ہے۔ اسی طرح ہمارے دور سے پہلے کے ایک مشہور مصری مصنف (م ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء) الخطط الجدیدۃ التوفیقیۃ (ص ۸۳-۸۱ ج ۱۲) میں ایسی ایسی بے سروپا باتیں لکھ گئے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے نمونہ کے طور پر فقہ حنفی کی تحصیل، شیخ کا اصفہان کا سفر ۱۱۷۶ھ میں، وطن کی واپسی کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

نمولی فروگذاشتیں ہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے کتاب غنیمت ہے۔

(۱۳) اتحاف النبلاء (فارسی) (ص ۴۱۳-۴۱۶)۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب (م ۱۳۰۷ھ) نے اس کتاب میں بھی شیخ کا ترجمہ دیا ہے۔ اور ایک حد تک منصفانہ ہے۔ (مطبع نظامی ۱۲۸۸ھ) اس کے علاوہ التاج المکلل، موائد العوائد وغیرہ میں بھی شیخ اور ان کی دعوت کا ذکر ہے)

(۱۴) ترجمان وہابیہ (اردو) اس رسالہ میں نواب صدیق حسن خاں صاحب نے جماعت کے متعلق عجب متضاد اور بے جوڑ باتیں کہی ہیں غالباً وہ اپنے وقت کے مخصوص حالات سے گھبرا گئے تھے۔ اللہ ان کی مغفرت کرے۔

(مطبوعہ امرتسر: ۱۹۳۰ء)

(۱۵) سلاطینِ نجد کا مذہب (معارف: نومبر ۲۴ء)۔ اس مختصر مقالے میں استاذ محترم مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے شیخ کی دعوت اور آلِ سعود کا مختصر اور دلنشین خاکہ پیش کیا ہے۔ اس کا تمہیدی حصہ خاص طور پر دل آویز ہے (جس کا ابتدائی ٹکڑا اس کتاب کا سرنامہ ہے)۔

(۱۶) تاریخ نجد، مصنفہ حافظ اسلم صاحب جیراج پوری۔ شیخ کی سیرت دعوت اور آلِ سعود کی تاریخ پر ایک مختصر اور سیدھی سادی کتاب ہے، زیادہ تر ابنِ غنام اور ابن بشر کی کتابیں ان کا ماخذ رہی ہیں سادہ اور ہلکی پھلکی تاریخ کی

لہ مولوی اسمٰعیل صاحب غزنوی نے الہدیۃ السنیہ کا اردو ترجمہ کیا ہے (جس کا ذکر آگے آتا ہے) ترجمہ تو خیر جیسا بھی ہے۔ اس سے بحث نہیں لیکن اُنھوں نے غضب یہ کیا، کہ حضرت سید صاحب مدظلہ کی پوری تمہید اپنے دیباچہ میں اس طرح پر نقل کردی گویا اُنھیں کی لکھی ہوئی ہو اللہ ان کی اس لغزش کو معاف کرے۔

حیثیت سے غنیمت ہے، گو غلطیوں سے خالی نہیں۔

(۱۷) سلطان ابنِ سعود، سلطان ابنِ سعود کے سوانح سردار محمد صاحب حسینی بی-اے نے لکھے ہیں، اس میں ایک باب شیخ کی دعوت (ص ۴۵-۳۹) پر بھی ہے آلِ سعود اور آلِ رشید کی تاریخ بھی دی گئی ہے (ص ۷-۴۵) ان کا سارا مدار انگریزی کتابوں پر معلوم ہوتا ہے، عربی اور اسلامیات سے شاید ادنیٰ لگاؤ بھی نہیں۔ ان کی واقفیت کا عالم یہ ہے کہ مقرن کو مکرن اور مکران، مشاری کو مشعری، ثنیان کو طوہنیان لکھتے ہیں (ص ۸) اسی طرح عُنیبہ کو عیبونیہ، الحسا کو الحصا (ص ۴۲) لکھا گیا ہے، تاریخی استناد کا عالم یہ ہے کہ محمد بن سعود کا سالِ وفات ۱۷۶۴ء (؟ ۱۷۶۵ء / ۱۱۷۹ھ) اور عبد العزیز بن سعود کی شہادت کی تاریخ ۱۸۰۲ء (؟ ۱۸۰۳ء / ۱۲۱۸ھ) بتاتے ہیں۔ (ص ۴۳-۴۴)

سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ مُصنّف کے بیان کے مطابق امام احمد بن حنبل نے موطا امام احمد حنبل مرتب کی تھی (ص ۴۵) ——— کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

جس شخص کے علم کا یہ عالم ہو، اُسے سلطان ابنِ سعود کی سیرت لکھنے کی کیا ضرورت آپڑی تھی؟ ہم نے یہاں تاریخی لٹریچر کے ضمن میں اس کتاب کا ذکر صرف عبرت کے لئے کیا ہے ——— "وہابیوں" کے متعلق ان صاحب نے جو غلط بیانیاں کی ہیں (ص ۳-۲۶۲)۔ ان کے ذکر کی شاید اب ضرورت بھی نہیں۔

(ج)

(۱۸) M. Neibuhr نی بور کا سفرنامہ

Travels through Arabia and other Countries in the East.

یہ سب سے پہلا یورپی سیاح ہے، جس نے نجد اور شیخ الاسلام کی دعوت پر اپنے سفرنامہ میں بحث کی گو اس کا بیان بہت مختصر ہے (جلد دوم ص ۱۳۶-۱۳۱) پھر بھی اس لحاظ سے کہ یہ سب سے قدیم یورپی ماخذ ہے، قابلِ قدر ہے۔

نی بور اور اس کے رفقاء ۱۷۶۱ء میں ڈنمارک سے روانہ ہوئے اور ۱۷۶۲ء میں یمن پہنچے، لیکن چند مہینوں کے اندر اس کے رفقائے سفر سب فوت ہو گئے، صرف نی بور زندہ واپس ہوا (۱۷۶۵ء) اس کا سفرنامہ عرب اور خاص کر یمن کے جغرافی، معاشری اور اقتصادی حالات کے متعلق ایک اہم وثیقہ ہے، اکثر مورخوں نے اس کے دقت نظر اور صحتِ بیان کی تعریف کی ہے۔[۲]

نی بور خود نجد نہیں جا سکا تھا، اس لیے سنی سنائی باتوں پر اعتماد کی وجہ سے اس کا بیان فاش غلطیوں سے پاک نہیں رہ سکا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ہوگارتھ؛ ص ۶۴-۶۷) اس کے بیان کی قیمت اس لئے بھی ہے

[۱] بلاد عرب کے یورپی سیاحوں پر ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب (لاہور) کا بھی ایک مختصر لیکن فاضلانہ مقالہ اورینٹل کالج میگزین لاہور میں نکلا تھا (اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۷ء، اگست ۱۹۳۷ء؛ دیار عرب کے مغربی سیاح) اور حقیقت یہ ہے سب سے پہلے اسی مقالے نے مغربی سیاحوں کے سفرناموں کی طرف میری توجہ مبذول کرائی اس کے بعد پروفیسر ہوگارتھ کی کتاب Penetration of Arabia سے مزید روشنی ملی جس کا ذکر

کہ یہ شیخ کی زندگی میں بلادِ عرب پہنچا اور ایسے وقت کہ ابھی دعوت خوب پھیل بھی نہ سکی تھی، ریاض کی فتح ۱۱۸۷ھ/۱۷۷۳ء میں ہوئی اور اس سے پہلے شیخ کا حلقۂ اثر محدود تھا، ہمارے پیشِ نظر نی بور کے سفرنامہ کا انگریزی ترجمہ ہے، مترجم کا نام Robert Heron ہے (مطبوعہ ایڈنبرا: ۱۷۹۲ء)

(۱۹) بادیا (Badia)، جو علی بیگ عباسی کے نام سے ۱۸۰۶ء میں جدہ اترا، اور مکہ کی زیارت کی۔ مدینہ منورہ جانے سے اسے نجدی حکام نے روک دیا تھا۔ (ہوگارتھ: ص۷۹) وہ یہ پہلا یورپی سیاح ہے جس نے وہابی نجد اور اس کے پایۂ تخت درعیہ کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچائی ہیں (ص۸۲) اس کے سفرنامے کا تاریخی حصہ اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اس نے حجاز میں مصریوں کی مداخلت سے پہلے وہابیوں کی حکومت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ ایک عینی شاہد کی معاصرانہ شہادت کا درجہ رکھتا ہے (عنایت اللہ) برٹن (۲: ۲۱۹ن) نے اس کی بڑی برائی کی ہے، بہرحال عینی شہادت کی حیثیت سے اس کا سفرنامہ واقعی اہمیت رکھتا ہے، افسوس کہ اس کا سفرنامہ ہمیں دستیاب نہ ہو سکا، ہم نے جہاں کہیں بھی اس کی شہادت نقل کی ہے، ہوگارتھ کے واسطہ سے۔ (تفصیل کے لئے: ہوگارتھ کی کتاب، ص۷۸-۸۲)۔

(۲۰) برک ہارٹ L. Burckhardt کی کتاب Notes on the Bedoins and the Wahabies جلد ۲ ص۳۴۹-۹۵

(بقیہ حاشیہ ص۹) آگے آتا ہے فلبی ص۳۶ نے بھی نی بور کی اولیت اور اہمیت کا ذکر کیا ہے۔
ص۳: ملاحظہ ہو بیجر کی کتاب کا دیباچہ، بلنٹ (فیوچر آف اسلام ص۱۰۶)۔

یہ مغربی سیاح ۱۸۱۴ء میں حجاز پہنچا، جب محمد علی پاشا نجدیوں کو حجاز سے بے دخل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اور ۱۸۱۶ء میں مصر واپس ہوا جہاں وہ تھوڑے عرصے کے بعد فوت ہو گیا۔ اس نے نجد، درعیہ اور بلادِ عارض کا مفصل اور محققانہ جغرافیہ دیا ہے، اس نے اپنے سفر نامے کی پہلی جلدوں Travels in Arabia میں مکہ معظمہ اور حج وغیرہ کی جو تفصیل کی ہے، وہ اپنی جگہ پر نہایت مستند ہے، مکہ مکرمہ کے نظام حکومت پر بھی اس کی بحث عالمانہ ہے (Travels ۱، ۴۴۴ - ۴۰۵) رچرڈ برٹن[1] جس نے ۱۸۵۰ء کے بعد مکہ و مدینہ کا سفر کیا، برک ہارٹ کا ثنا خواں ہے اور انتہائی ادعائے تحقیق کے باوجود برک ہارٹ کے بیانات پر کوئی قابلِ ذکر اضافہ نہ کر سکا (ہوگارتھ: ص ۹۰ - ۸۹)۔

اس کے سفر نامے کی پہلی دو جلدیں ۱۸۲۹ء میں چھپیں، آخری دو جلد میں (Notes الخ) ۱۸۳۱ء میں شائع ہوئیں۔ یہ چاروں جلدیں عرب اور اس کے جغرافیہ و متعلقات پر معلومات کا گنجینہ ہیں، ہمیں اس کتاب میں صرف (Notes on etc.) کی دوسری جلد سے بحث تھی۔ محمد علی مصری کے حملہ حجاز اور مصر و نجد کی لڑائیوں پر اس کے بیانات حد درجہ مستند اور عینی

[1] کیپٹن سر رچرڈ برٹن (R. F. Burton) جس نے برک ہارٹ کے تقریباً چالیس برس بعد حجاز کا سفر کیا، لیکن اہلِ نجد کے متعلق کوئی اہم بات نہیں لکھی اس کے سفر نامہ کا ایک خاص ایڈیشن دو جلدوں میں بڑی آب و تاب سے چھپا ہے۔ (لندن: ۱۸۹۳ء) Personal Narrative of a Pilgrimage to Almadina and Mecca. دو جلدوں میں۔

شہادت کا درجہ رکھتے ہیں (تفصیل کے لئے ہو گارتھ: ص۹۵-۸۸ یا پھر اصل سفرنامہ)

(۲۱) برجس (Harford J. Brydges) کی کتاب
A Brief History of the Wahaby

یہ شخص ایک برطانوی افسر کی حیثیت سے ۱۷۸۴ء میں بصرہ پہنچا اور ۱۷۹۴ء تک وہیں رہا، درمیان میں کچھ وقفہ کے بعد پھر بغداد میں اس کی تعیناتی ہوئی جہاں ۱۷۹۷ء سے ۱۸۰۶ء تک اس کا قیام رہا (ص۱۷-۹) دونوں جگہوں میں یہ پولیٹیکل ایجنٹ کی حیثیت سے تھا اور سعود بن عبدالعزیز کے ساتھ اس کے تعلقات اچھے تھے (ص۱۵) یعنی یہ شیخ الاسلام کی زندگی ہی میں بلادِ عرب آگیا تھا، اور سعود بن عبدالعزیز کے اہم فتوحات کے زمانہ میں وہاں موجود تھا اس لحاظ سے اس کی کتاب کی اہمیت اور تاریخی قیمت ہونا چاہئے، مگر افسوس کہ اس میں دقت نظر نہیں۔ جا بجا برک ہارٹ کی نقالی کرتا ہے (جو اس کے بعد حجاز آیا اور پہلے مرا)

یہ کتاب ۱۸۳۴ء میں لندن سے شائع ہوئی، اور برک ہارٹ کی کتابیں ۱۸۲۹ء اور ۱۸۳۱ء میں نکل چکی تھیں خود بھی اسے برک ہارٹ کی خوشہ چینی کا اعتراف ہے کہیں کہیں اس نے اضافہ بھی کیا ہے[لے] لیکن اہم واقعات

لے برک ہارٹ کا مرقع ۱۸۱۶ء کے وسط پر ختم ہو جاتا ہے، برجس نے ایک اہم اضافہ یہ کیا ہے کہ اس نے محاصرہ درعیہ (۱۸۱۸ء) کی پوری تفصیل فرانسیسی مورخ M. Mengin کی تاریخ History de l'Egypt Sons le Government de Mohammed Aly.

حرف بہ حرف برک ہارٹ ہی سے لئے ہیں۔

(۲۲) پالگریو (W. Gifford Palgrave) کا سفرنامہ
Narrative of a year's journey through Central and Eastern Arabia.

یہ ایک کیتھولک عیسائی اور شہری زندگی کا عادی اور طبعاً ایک آرام پسند شخص تھا، ۶۳-۱۸۶۲ء میں اس نے عرب کی سیاحت کی اُس نے حضری عربوں (حسا، قطیف وغیرہ کے باشندے) کی خوب تعریفیں کی ہیں لیکن اہلِ بادیہ کی ہمدردی کے لئے اس کے پاس ایک لفظ نہیں، اس نے اہلِ نجد شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے ماننے والوں کی بڑی برائیاں کی ہیں، زویمر (حاشیہ ۱۹۸) اور ہیوجس (ص ۵ ب) کے مطابق وہابیت کی برائی میں اس کی "کیتھلوکیت" کو بھی دخل تھا۔ زویمر کی رائے میں زیادہ سے زیادہ ۶۳-۱۸۶۲ء کے واقعات میں اس کے بیان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، لیکن ہمارے خیال میں کسی مسئلہ کے متعلق صرف اس کے بیان پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، شیخ پر اس نے جو کچھ لکھا ہے خرافات کا مجموعہ ہے (ص ۳۶۳-۳۵۸) آلِ سعود کی تاریخ بھی (ص ۳۸-۴۵) اسماء اور تاریخوں کی فاش غلطیوں سے پُر ہے۔ ہیوجس (نوٹس: ص ۲۲۱) نے خوب لکھا ہے کہ "اس کے بیانات دلچسپ لیکن ناقابلِ اعتماد ہیں" زویمر کہتا ہے:-

---

مصر کی تاریخ محمد علی کے عہدِ حکومت میں سے حرف بحرف نقل کر دی ہے۔ (ص ۱۶۱-۱۳۵)

"ایک کیتھولک سے یہ امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ تجدید اور سلفیت کی دعوت کا ذکر اچھے انداز میں کرے گا" (حاشیہ ص۹۸) نفسِ اسلام کے متعلق اس نے جو ہرزہ سرائیاں کی ہیں وہ انتہائی رکیک اور یکسر ناقابل اعتنا ہیں (ص۳۷۳) ـــــ حد تو یہ ہے کہ وہ اپنے معاصروں کی نشان دہی بھی صحیح نہیں کر سکا۔ شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد بن عبدالوہاب کو عبدالرحمٰن بن عبدالوہاب اور ان کے بیٹے عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن کو عبدالرحمٰن بن عبداللہ کا بیٹا بتاتا ہے (ص۳۷۹) اور مزید یہ کہ "عبداللہ بن عبدالوہاب درعیہ میں ابراہیم پاشا کے حکم سے قتل کر دیے گئے تھے" طرّہ یہ ہے کہ وہ ریاض میں شیخ عبدالرحمٰن سے ملا بھی تھا، اس کا سفرنامہ دو جلدوں میں چھپا (۱۸۶۵ء)

(۲۳) لیوس پلی Lewis Pelly کی (A. Political Mission to Nejd) یہ شخص بوشہر میں برطانی ریزیڈنٹ تھا، ۱۸۶۵ء میں فیصل بن ترکی (م ۱۸۶۵ء / ۱۲۸۲ھ) سے خلیج فارس کے ساحلی مقامات کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے ریاض آیا۔ ہمیں اس کی کتاب نہ مل سکی، ممکن ہے اس میں کچھ مواد ہو، ہیو جس نے اپنے مآخذ میں اس کی کتاب کا بھی ذکر کیا ہے، ہوگارتھ (ص۳۰۸-۳۱۱) نے لیوس پلی کے مشن پر کافی بحث کی ہے اور اس کے سفر کی جغرافی قیمت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ لیکن اس کی تاریخی تحقیقات کا بالکل ذکر نہیں کیا۔

(۲۴) بیجر (G. Percy Badger) کی Imams and Syeds of Oman. یہ کتاب اصل میں ایک عربی مخطوط (مصنف

سلیل بن رزیق) کا ترجمہ ہے جس میں عمان کے امراء کی پوری تاریخ مفصل بیان کی گئی ہے (آغاز اسلام سے ۱۸۵۶ء تک)۔ بیجر نے انگریزی ترجمے میں حواشی اور ایک مبسوط مقدمہ کا اضافہ کیا ہے، جس میں کتاب کے پورے مواد پر بحث ہے اور عمان کی تاریخ بھی ۱۸۷۰ء تک مکمل کر دی گئی ہے۔

چونکہ آل سعود کی دعوت اور سیاسی عروج دونوں کا خلیج فارس اور جزیرہ نمائے عرب کے تمام ساحلی علاقوں سے گہرا تعلق رہا ہے اس لئے ان کی تاریخ بھی جا بجا زیر بحث آئی ہے۔ بیجر کے حاشے عام طور پر پُر معلومات اور اچھے ہیں، البتہ نجد کے متعلق وہ پالگریو پر زیادہ اعتماد کرتا ہے۔ آل سعود کے متعلق چونکہ زیادہ تر معلومات سیاسی نزاعوں اور حملوں کی تفصیل سے متعلق ہیں، اس لئے زیر نظر تالیف میں زیادہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا۔ (مطبوعہ لندن ۱۸۷۱ء)

(۲۵) ڈاوٹی (Daughty) پالگریو کے تیرہ برس بعد ۱۸۷۵ء میں نجد آیا اور بدو ؤں کی معاشرت کی تفصیل، جغرافی اور لسانی تحقیقات کے لحاظ سے اس کے سفرنامے کی جو بھی قیمت ہو، اہل نجد کی تاریخ پر اس نے کوئی خاص مسالہ نہیں چھوڑا، سوائے اس پیش گوئی کے: "وہابی حکومت موت کے قریب پہنچ گئی ہے۔ اور اب دوبارہ اس میں جان نہیں آسکتی ...... عام طور پر نجد میں یہی خیال ہے (جلد ۲ صفحہ ۴۲۵) واقعات و مشاہدات نے اس خام خیالی کی تکذیب کر دی —— اس کا سفرنامہ Travels in Arabia Deserta دو جلدوں میں ہے (۱۸۸۶ء اور ۱۹۲۱ء)

(۲۶) لیڈی اینی بلنٹ (Anne Blunt) کا سفرنامہ A Pilgrimage to Nejd. مشہور سیاسی مدبر اور شاعر ولفرڈ اسکاون بلنٹ

ولفرڈ بلنٹ (Wilfrid Scawn Blunt.) اوران کی بیگم لیڈی بلنٹ
(جو مشہور شاعر بائرن کی پوتی تھیں) نے غالباً اچھے گھوڑوں کی تلاش میں
عرب اور نجد کی سیاحت کی تھی (۱۸۷۹ء) لیڈی بلنٹ کے سفرنامے سے ہمارے
موضوع کا تعلق نہیں دیباچہ اور ضمیمہ جو خود ولفرڈ بلنٹ نے لکھا ہے، ان میں
نجد کے جغرافیہ (دیباچہ xxviii-I) اور "وہابیت کے عروج وزوال" کا ایک خاکہ
پیش کیا گیا ہے۔ (۲۵۱-۲۷۱:۲) گو غلطیاں کافی ہیں، پھر بھی ایک "خاکہ" کی حد
تک غنیمت ہے۔ کتاب میں جہاں کہیں بلنٹ کا حوالہ آیا ہے، یہی ضمیمہ مراد ہے۔ اصل
سفرنامہ دو جلدوں میں چھپا ہے (لندن ۱۸۸۱ء)

ولفرڈ بلنٹ کی فیوچر آف اسلام (ص ۴۲-۴۶، ۱۰۶) میں بھی شیخ کی دعوت کا
ذکر آیا ہے۔ اس مختصر سے بیان میں بھی متعدد غلطیوں اور غلط فہمیوں کے نمونے ملتے
ہیں جن کی طرف غلط بیانیوں کے ضمن میں اشارہ نہیں کیا جا سکا۔ اس کا اگر کہیں حوالہ آیا ہے
تو کتاب کی تصریح کے ساتھ۔ ۱۸۸۲ء کا چھپا ہوا نسخہ ہمارے سامنے رہا ہے۔

(۲۷) ہیوجس (Thomas P. Hughes) کی ڈکشنری
آف اسلام (Dictionary of Islam) (مقالہ وہابی: ص ۶۵۹-۶۶۲)
اس پروٹسٹنٹ مشنری کا یہ مقالہ کتنے مسلمان عالموں کی تحریروں سے بہتر ہے۔ جہاں
تک دعوت کے منشاء کا تعلق ہے اس نے سمجھنے میں غلطی نہیں کی اور اس نے شیخ کی تعلیمات کا
بہت اچھا خلاصہ دیا ہے۔ تاریخی فروگذاشتیں ہیں، سو وہ صدتھیں۔ برکجس اور بلنٹ کا، لیوئز پلی
(Pelly) کی کتاب کے سوا اس کے تمام ماخذ ہمارے پیش نظر رہے ہیں۔ اس کتاب میں جہاں
کہیں ہیوجس (Hughes.) کا حوالہ ہے یہی مقالہ مراد ہے۔ (نسخہ مطبوعہ لندن ۱۸۸۵ء)

(۲۸) اس ہیوجیس کا دوسرا مقالہ (The WAHHABI.

اس کی مختصر کتاب (NOTES. ON MOHAMMADANISM

میں (صفحہ ۲۲۶-۲۱۹) ـــــ اس میں عام عقائد وغیرہ کے علاوہ سلاطین آلِ سعود کی بھی ایک مکمل فہرست دی گئی ہے۔ (۱۸۷۵ء تک) اس مختصر مقالے میں ڈکشنری آف اسلام والے مقالے (WAHHABIA)

پر کچھ مفید اضافے بھی ہیں، خاص کر ہندوستانی مجاہدین کے متعلق جن پر گفتگو کا یہاں موقع نہیں۔ اس مقالے کا جہاں حوالہ آیا ہے نوٹس کی تصریح کے ساتھ ـــــ (نسخہ مطبوعہ: لندن ۱۸۷۵ء)

(۲۹) زویمر (ZWEMER) کی (ARABIA THE CRA-DLE OF ISLAM.) ص ۲۰۱-۱۹۱

زویمر نے اپنے تعصب کے باوجود شیخ کی دعوت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اس تحریک سے قبل عرب کی حالت کا بھی صحیح جائزہ لیا ہے (صفحہ ۱۹۲-۳)

اپنی کتاب کے اس باب میں اُس نے صرف تین تاریخی غلطیاں کی ہیں،

(۱ سنہ ولادت: ۱۶۹۱ء، ۲ سفر بغداد، ۳ ہدم قبہ رسول) لیکن استنتاج میں اس کا تعصب غالب رہا، ارشاد ہوتا ہے:

"یہ تحریک اسلام کی تجدید تھی، گو بالکل ناکامی (DISASTER) پر ختم ہوئی۔ اور سیاسی طور پر ایک شاندار ڈھونگ ثابت ہوئی" ص ۱۹۱-۲

(دوسرا اڈیشن ۱۹۰۰ء)

(۳۰) ہوگارتھ (DAVID GEORGE HOGARTH) کی

(THE PENETRATION OF ARABIA)

ہوگارتھ نے اِس کتاب میں ان تمام یورپی سیاحوں کی کوششوں کا مفصّل اور گہرا جائزہ لیا ہے، جنھوں نے گذشتہ تین صدیوں میں بلادِ عرب کی سیاحت کی اور وہاں کے جغرافیہ، تاریخ، اثریات، معاشرت، آداب و رسوم وغیرہ کے متعلق کوئی تحریری دستاویز یادگار چھوڑی۔ اس سلسلے میں ان سیاحوں کے کارناموں پر بھی پورا پورا تبصرہ ہوا ہے، جنھوں نے شیخ اور ان کے جانشینوں کے ایام حکومت میں بلادِ نجد و حجاز کی سیاحت کی۔ ہم نے ہوگارتھ کے مختلف بیانوں کا اصل سفرناموں سے بارہا مقابلہ کیا لیکن اس کے نقل اور تبصرے میں کہیں ادنیٰ فروگذاشت نہیں پائی، اور اس لئے اصل سفرناموں کی عدم موجودگی میں اس کے خلاصہ اور تبصرے سے بھی فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ (مطبوعہ، لندن ۱۹۰۴ء)

اس کتاب میں جہاں کہیں ہوگارتھ کا حوالہ ہے، یہی زیرِ نظر کتاب مراد ہے۔

ہوگارتھ کی ایک دوسری مختصر کتاب (A HISTORY OF ARABIA) میں بھی اشرافِ مکہ (ص ۹۳-۸۲) اور وہابی اور مصری (ص ۱۱۳-۹۹) پر دو باب ہیں، مگر حیرت ہوتی ہے کہ یہاں وہ محمد بن سعود، عبدالعزیز بن محمد بن سعود اور سعود بن عبدالعزیز کے درمیان ٹھیک ٹھیک فرق نہ کر سکا (ص ۱۰۳) (آکسفورڈ، ۱۹۲۱ء)

(۳۱) فلبی (H. ST. J. B. PHILBY) کی کتاب (ARABIA .) (لندن ۱۹۳۰ء)

فلبی نے اِس کتاب میں شیخ کی دعوت سے لے کر موجودہ سلطانِ نجد عبد العزیز بن عبد الرحمن بن فیصل بن ترکی بن عبد اللہ بن محمد بن سعود (سنہ ۱۹ء) تک النجد کی پوری تاریخ لکھی ہے، شیخ کی سیرت اور دعوت کا حصہ یکسر ابنِ غنام اور ابنِ بشر سے ماخوذ ہے[۱] کتاب ہر لحاظ سے مفید اور قیمتی معلومات کی حامل ہے۔ اور ہم نے اس سے کافی فائدہ اٹھایا ہے لیکن اصل ماخذ کو سامنے رکھ کر ——— اس کتاب کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے، مصنف کا مقصد یہ ہے کہ بلادِ عرب میں حکومتِ برطانیہ کو ایک "عصائے پیری" کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے موجودہ فرماں روائے نجد زیادہ موزوں ہیں۔ شریف حسین کی امداد اور ابن سعود سے بے اعتنائی پر اس نے وھائٹ ہال، حکومتِ ہند اور حکومتِ بصرہ و بغداد پر سخت سے سخت تنقیدیں کی ہیں، خلاصہ یہ کہ جزیرۃ العرب میں برطانی ڈپلومیسی پر یہ کتاب کافی روشنی ڈالتی ہے لیکن اس وقت ہمیں اس رُخ سے سرِدست کوئی تعلق نہیں۔

(۳۲) ماردتمان (MORDTMAUN.) کے مقالے

ابنِ سعود اور ابن الرشید (مندرجہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) — ماردتمان کے یہ مقالے اختصار کے باوجود جامع اور بڑی حد تک صحیح ہیں، سنین اور تاریخوں کی تعین کی کوشش قابلِ تحسین ہے۔ اس سے پہلے

---

[۱] فلبی نے خود بھی دیباچہ (صـ) میں لکھا ہے کہ "پہلی کتاب ہے جو اصل ماخذ کی بنیاد پر انگریزی میں مرتب ہوئی ہے" اور اس کا لکھنا صحیح ہے شیخ کے متعلق غالباً کسی مغربی زبان میں اتنی صحیح معلومات لکھی نہیں جا سکتیں۔

کسی نے التزام نہیں کیا، ہمیں کہیں کہیں اس سے اختلاف کرنا پڑا ہے۔ لیکن ابنِ سعود والے مقالے سے مدد بھی بہت ملی۔

(د)

(۳۳) مارگولیوتھ (D.S. MARGOLIOUTH) کے دو مقالے:

(i) وہابیہ WAHHABIYAH (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

(ii) وہابی (WAHHABIES.) انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اینڈ اتھکس)

دونوں مقالے غلطیوں سے بھرے ہوئے ہیں، غلطیاں تو ہر کسی سے ہوتی ہیں، لیکن ان صاحب کی ادا نرالی ہے۔ جہل مرکب اور غلطیوں کا انبار اتنا اور کہیں نہیں ملے گا ——— اس کتاب میں جہاں صرف مارگولیوتھ کا حوالہ آیا ہے، پہلے مقالے کی طرف اشارہ ہے۔

(۳۴) راونشا (T.E. RAVENSHAW) کی یادداشت MEMORANDUM ——— گو اس یادداشت کا تعلق مولانا احمد اللہ صادق پوری کے مقدمے اور ہندوستانی مجاہدین کی تحریکِ تجدید و جہاد سے ہے، بایں ہمہ اس میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت کے متعلق بھی خوب غلط بیانیاں کی گئی ہیں۔ جس کا ایک نمونہ گذر چکا (ملاحظہ ہو: پانچواں باب:) ——— یہ یادداشت پوری کی پوری کلکتہ گزٹ ۲۰ ستمبر ۱۸۶۵ء کے ضمیمہ کی حیثیت سے چھپی ہے۔

(۳۵) ولیم ولسن ہنٹر (W. W. HUNTER) کی (OUR
INDIAN MUSALMANS) مسلمانانِ ہند (مطبوعہ ۱۸۷۱ء)
اس کتاب کا تعلق بھی ہندوستانی مجاہدوں کی سرگرمیوں سے ہے
چونکہ یہ حضرات ہندوستان کی تحریک تجدید و امامت کو شیخ الاسلام ہی
کی دعوت کا شاخسانہ بتاتے ہیں۔ اس لئے خواہ مخواہ انھیں شیخ کی دعوت
پر بھی گفتگو کرنا پڑتی ہے۔[1] اس سلسلہ میں ہنٹر صاحب نے بھی اپنی ناواقفیت
کا خوب خوب ثبوت دیا ہے۔ کچھ نمونے اوپر گذر چکے ہیں۔

(۳۶) (ANDRE SERVIER) کی ISLAM AND PSYCHO-
-LOGY OF THE MUSLMANS) (اصل فرنچ کا ترجمہ: لندن ۱۹۲۴ء)
ان صاحب نے محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کو جی بھر کر
گالیاں دی ہیں، اور یوں تو نفس اسلام ہی ان کے نزدیک "انسانیت کی
ہر ترقی کا دشمن" ہے (صفحہ ۲۶۴) ۔۔۔ پالگریو ان کا ماخذ معلوم ہوتا ہے۔

(۳۷) (WILSON CASH) کی (THE
EXPANSION OF ISLAM) (مطبوعہ لندن ۱۹۲۸ء)

---

[1] اس سلسلہ میں ہم نے جتنی کتابوں اور مقالوں کا ذکر کیا ہے، ان سب میں نجد اور
ہندوستان کی تحریکوں کو ایک بنایا گیا ہے بعض صرف "اصول" کی حد تک ایک بتاتے
ہیں، اور اکثر حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد و تجدید کو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی
دعوت کی شاخ بناتے ہیں جو یکسر غلط ہے، افسوس کہ ہم اس حصّے میں اس پر
مفصل بحث نہیں کر سکتے۔

ان صاحب کا خیال ہے کہ محمد بن عبدالوہاب "عربی اسلام" چاہتے تھے (ص ۱۹۱)۔ اس قسم کی غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی کمی نہیں — ان دونوں کتابوں میں بھی شیخ کی دعوت کا ذکر ضمنی طور پر آیا ہے۔

(۳۸) رچرڈ کوک (RICHARD COKE) کی

THE ARAB'S PLACE IN THE SUN. (صفحہ ۱۷۰-۱۶۱)۔

دعوت پر ایک اچھا مختصر تبصرہ ہے۔ غلطیاں بعض عام قسم کی ہیں اور بعض ناموں کے الٹ پھیر سے ہوئی ہے۔ سعود بن عبدالعزیز کے کارناموں کو یہ عبدالعزیز کی طرف منسوب کرتا ہے (ص ۱۶۳) اور عبداللہ بن سعود اور سعود بن عبدالعزیز کے درمیان بھی ٹھیک فرق نہیں کر پاتا۔ (ص ۱۶۳)۔

(نمبر ۳۳ سے نمبر ۳۷ تک جن کتابوں کا ذکر کیا گیا، ان کی حیثیت مآخذ کی نہیں، بلکہ عام لٹریچر کی ہے، یہ فہرست اور طویل ہو سکتی تھی لیکن اختصار کے خیال سے اتنے ہی پر اکتفا کرنا پڑا، بعض کتابوں کے ضمنی حوالے اصل کتاب میں آگئے ہیں، جیسے (اسٹاڈرڈ) (STODDARD) کی 'جدید دنیائے اسلام' (THE NEW WORLD OF ISLAM) مطبوعہ ۱۹۲۱ء وغیرہ

(۳) مذہبی

(الف)

توحید اور انکارِ بدعات پر سینکڑوں، ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہونگی

اور ان کا استقصا مشکل بھی ہے۔ خاص طور پر امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) اور اُن کے شاگرد رشید امام ابن قیم (م ۷۵۱ھ) کی کتابیں اِن مباحث سے بھری پڑی ہیں، ہم یہاں صرف ان کتابوں کا ذکر کرتے ہیں، جن کے مطالعہ کا اس دوران میں ہمیں موقع ملا اور شیخ کی دعوت کے سمجھنے میں اُن سے مدد ملی:۔

(۱) الباعث علی انکار البدع والحوادث لابی محمد عبد الرحمٰن بن اسمٰعیل بن ابراہیم ابی شامۃ المغربی (م ۶۶۵ھ) —— (مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ)

(۲) تجرید التوحید المفید للشیخ تقی الدین احمد بن علی المقریزی (۸۴۵ھ) (مصر: ۱۳۴۳ھ)

(۳) تطہیر الاعتقاد عن ادران الالحاد لمحمد بن اسمٰعیل الامیر الیمنی الصنعانی (م ۱۱۸۲ھ) —— (مصر: ۱۳۴۸ھ)

(۴) کتاب التوحید لمحمد بن عبد الوھاب (م ۱۲۰۶ھ) (مطبوعہ ۱۳۴۷ھ مع تعلیقات استاد محترم شیخ تقی الدین ہلالی)

اور شیخ کی دوسری تصنیفیں اور رسالے۔

(۵) الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید لمحمد بن علی الشوکانی (م ۱۲۵۰ھ) مصر: ۱۳۴۳ھ)

اس کا اُردو ترجمہ بھی مولوی محمد علی صاحب قصوری ام-اے کے قلم سے چھپ گیا ہے۔ (۱۹۲۴ء)

(۶) التحف فی مذاہب السلف الشوکانی مصر: ۱۳۱۰ھ۔

(۷) مجموعۃ الہدیۃ السّنیۃ والتحفۃ الوہابیۃ النجدیۃ، مرتبۂ سلیمان بن سحمان نجدی
مصر: ۱۳۴۲ھ

اس مجموعہ کے مرتب نجد کے مشہور علماء میں شمار کیے جاتے تھے، شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ (م ۱۲۸۵ھ) اور شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن (م ۱۳۰۴ھ) دونوں سے استفادہ کیا، چھیاسی سال کی عمر میں وفات پائی (۱۳۵۵ھ)؛ بہ روایت شیخ عمران نجدی)۔

اس مجموعے میں حسب ذیل رسالے ہیں:۔

(الف) الرسالۃ الدینیۃ فی معنی الالہیۃ (ص ۳-۲۸) للامیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود (م ۱۲۱۸ھ)

(ب) شئی من سیرۃ الشیخ وتعالیمہ (ص ۲۸-۴۰) للشیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن آل الشیخ (م ۱۳۰۴ھ)

(ج) الرسالۃ الثالثۃ[1] (ص ۴۱-۵۵) للشیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب۔ یہ رسالہ ۱۲۱۸ھ میں اہل مکہ مکرمہ کی تعلیم کے لئے لکھا گیا جب سعود بن عبدالعزیز پہلی مرتبہ حرم میں فاتحانہ داخل ہوا۔

(د) الفواکہ العذاب فی الرد علی من لم یحکم السنۃ والکتاب (ص ۵۵-۹۰) للشیخ احمد بن ناصر بن عثمان المعمری النجدی (م ۱۲۲۵ھ)۔

---

[1] اس کا انگریزی ترجمہ اوکنلی (J. O'KINELY) کے قلم سے جرنل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۸۷۴ء، ع ۱: ص ۶۸-۸۲) میں شائع ہوا ہے۔ ترجمہ میں بعض مضحکہ انگیز غلطیاں بھی ہیں جیسے علیک بسنتی (UPON YOU BE MY SUNNAT) (ص ۶۹) الامہات الستۃ (SIX MOTHERS.) (ص ۴۷) وغیرہ وغیرہ۔

یہ رسالہ ۱۲۱۱ھ میں تالیف ہوا، جب شیخ احمد بن ناصر امیر عبد العزیز کی طرف سے حجاز بھیجے گئے اور رجب ۱۲۱۱ھ میں علمائے حرم سے مناظرہ ہوا۔

(۵) الرسالۃ الخامسۃ (صـ ۹۹-۹۱) للشیخ محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحمن آل الشیخ۔

یہ رسالہ ۱۳۳۹ھ میں تالیف ہوا مصنف بقید حیات ہیں عمر اسی کے لگ بھگ ہوگی۔ (بہ روایت شیخ عمران نجدی)

ان رسالوں کا ترجمہ اردو میں ہوگیا ہے (از مولوی اسمٰعیل صاحب غزنوی) (۲۷ء)۔

آخر میں کچھ قصیدے ہیں (صـ ۱۱۲-۱۰۱)

(۸) فتح المجید شرح کتاب التوحید تالیف الشیخ عبد الرحمن بن حسن آل الشیخ (طبع سوم: قاہرہ ۱۳۵۷ھ)

(۹) جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین للشیخ نعمان خیر الدین الالوسی (م ۱۳۱۷ھ) (بولاق: ۱۲۹۸ھ)

یہ کتاب مجھے بہت مفید اور جامع معلوم ہوئی، اور اس لئے میں نے اسے بار بار پڑھا، علامہ سید رشید رضا مرحوم نے بھی اپنی خود نوشت سوانح حیات میں اس کی بہت تعریف کی ہے (ملاحظہ ہو: معارف: نومبر- دسمبر ۱۹۳۵ء۔

(۱۰) الانتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح للنواب صدیق حسن خاں۔ (بولاق: ۱۲۹۸ھ علی حاشیہ جلاء العینین)

(۱۱) تنبیہ ذوی الالباب السلیمۃ عن الوقوع فی الالفاظ المبتدعۃ الوخیمۃ لسلیمان بن سحمان النجدی (صفحہ ۱-۸۰)

(۱۲) تبرئۃ الشیخین الامامین من تزویر اہل الکذب والمین لسلیمان بن سحمان (صفحہ ۸۲-۲۱۵)

یہ دونوں رسالے ایک ساتھ چھپے ہیں (مصر: ۱۳۴۲ھ)

(ب)

(۱۳) کتاب التوضیح عن توحید الخلاق فی جواب اہل العراق للشیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب (قتل شہیدا سنۃ ۱۲۳۳ھ)

(مصر: ۱۳۱۹ھ)

(۱۴) منہاج التقدیس والتاسیس فی کشف شبہات داؤد بن جرجیس للشیخ عبداللطیف بن عبدالرحمن بن حسن آل الشیخ (م ۱۳۰۴ھ)

(بمبئی: ۱۹۰۷ء)

یہ صلح الاخوان کا جواب ہے،

(۱۵) صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان للشیخ محمد بشیر السہسوانی (م ۱۳۲۶ھ)

یہ کتاب عام طور پر مولانا محمد بشیر سہسوانی ہی کی طرف منسوب کی جاتی ہے[۵۷] ہمارے پاس جو نسخہ ہے، اس پر مصنف کا نام عبداللہ بن عبدالرحمن بن عبدالرحیم السندی درج ہے، غالباً یہ کسی مصلحت سے کیا گیا تھا،

---

[۵۷] ملاحظہ ہو: تراجم علمائے حدیث ہند، جلد اول صفحہ ۲۵۵۔

(یہ وہی نسخہ ہے جو شیخ اسحٰق بن عبدالرحمٰن بن حسن کے استعمال میں رہا ہے) (مطبع فاروقی دہلی: ۱۸۹۰ء)

اس کا دوسرا ایڈیشن نہایت تصحیح و اہتمام سے المنار پریس مصر میں چھپا ہے (۱۳۵۱ھ) اور اصل مصنف کی طرح نسبت کی گئی ہے۔ آغاز میں علامہ سید رشید رضا (م ۱۳۵۳ھ) کا مقدمہ اور تعارف ہے۔

(۱۶) البیان المبدی لشناعة القول المجدی — سلیمان بن سحمان النجدی۔

صیانۃ الانسان، وحلان کے الدرر السنیۃ کا جواب ہے جواب الجواب القول المجدی فی الرد علی عبداللہ بن عبدالرحمٰن السندی کے نام سے شائع ہوا، البیان المبدی القول المجدی کی تردید میں ہے (امرتسر: ۱۸۹۷ء)

(ج)

(۱۷) الصواعق الالٰہیۃ فی الرد علی الوہابیۃ — سلیمان بن عبدالوہاب النجدی الحنبلی (م ۱۲۰۸ھ)

یہ رسالہ شیخ الاسلام کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب کا لکھا ہوا ہے، اوپر گذر چکا ہے، کہ یہ بعد کو تائب ہو گئے تھے (۱۱۹۰ھ، ابن غنام: ۲، ۱۰۸) — مخالف اس رسالے کا تو خوب ڈھول پیٹتے ہیں، لیکن "رجوع" کا ذکر نہیں کرتے۔ کتاب کا

یہ نام غالباً بعد کو رکھا گیا ہے، اس لئے کہ سلیمان بن عبدالوہاب

نے یہ رسالہ ۱۱۶۰ھ کے لگ بھگ ایک خط کی صورت میں لکھ کر اہلِ حرمین کے پاس بھیجا تھا جس کا جواب بھی شیخ نے دیا تھا، (روضۃ الافکار: ۲، ص ۲۳-۵۳) اور ۱۱۶۷ھ میں یہ نام (وہابیہ) قطعی طور پر رائج نہیں ہوا تھا (مطبوعہ مصر: سنہ ندارد[۱])

اصل رسالہ تو مختصر ہے، لیکن اس میں کچھ ضمیمے بھی لگا دئے گئے ہیں، اور یوسف دجوی وغیرہ کے لکھے ہوئے ہیں۔ "یہ ضمیمے" اکثر و بیشتر ابنِ سعود کے عروج اور شریف حسین کے اولاد کی رسوائی کے بعد تالیف ہوئے ہیں۔

(۱۸) تہکم المقلدین فی مدعی تجدید الدین لمحمد بن عبدالرحمن بن عفالق الاحسائی (حوالی ۱۱۷۰ھ) (بروکلمن، ذیل: ۲، ۵۰۷)

(۱۹) الفصل الخطاب فی رد ضلالات ابنِ عبدالوہاب لاحمد القبانی البصری (حوالی ۱۱۵۷ھ) (بروکلمن: ۲، ۵۳۲) (اس کا ایک نسخہ آصفیہ میں بھی ہے۔ جلد ۳ ص ۵۳۸ / نمبر ۱۲۳۸)

(۲۰) الصواعق والرعود لعفیف الدین عبداللہ بن داؤد الزبیری الحنبلی (م ۱۲۲۵ھ)[۲] مخطوطہ مشرقی کتاب خانہ: ع ۱۲۳۸)

(۲۱) مصباح الانام وجلاء الظلام للسید احمد عبداللہ الحداد باعلوی (من رجال القرن الثالث عشر) مخطوطہ مشرقی کتاب خانہ ع ۱۲۵۸)

۱؎ سنہ ۱۲۳۸ھ کے بعد چھپی ہے۔ اتنا قطعی ہے۔ ۲؎ مولف مصباح الانام نے دیباچہ میں ایسی متعدد کتابوں کا ذکر کیا ہے جو شیخ کی تردید میں لکھی گئی تھیں، لیکن ان کا ذکر کسی فہرست میں نہیں ملتا۔

∴ جن کتابوں پر یہ علامت ہے، وہ مجھے دستیاب نہ ہو سکیں۔

(یہ کتاب طبع ہو چکی ہے: (بروکلمن ۲: ۸۱۳)

(۲۲) صلح الاخوان من اہل الایمان وبیان الدین القیم فی تبرئۃ ابن تیمیۃ وابن قیم لداؤد بن سلیمان بن جرجیس البغدادی (م ۱۲۹۹ھ)

اسی کی تردید میں شیخ عبداللطیف کی منہاج التقدیس لکھی گئی تھی۔ (بمبئی ۱۳۰۵ھ)

آلوسی (م ۱۳۱۷ھ) نے بھی جلاء العینین (ص ۳۱۵) مصنف صلح الاخوان کی غلط فہمیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۲۳) الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ السید احمد زینی دحلان (م ۱۳۰۴ھ)

یہ چھوٹا رسالہ ہے، جو دحلان کی خلاصۃ الکلام میں بھی پورا پورا آگیا ہے (ص ۲۲۸-۲۶۱) ــــ اس کے جواب میں مولانا محمد بشیر سہسوانی نے صیانۃ الانسان لکھی، اور پھر اس پر حضرمی نے القول المجدی تصنیف کی، آخر میں سلیمان بن سحمان نے البیان المبدی لکھی ــ آخر دور میں یعنے گذشتہ ساٹھ ستر سالوں میں مفتی دحلان ہی کی کتابوں نے غلط بیانیوں کی زیادہ اشاعت کی ہے۔

(د)

(۲۴) فتح المنان فی ترجیح الراجح وتزییف الزائف من صلح الاخوان لمحمد بن ناصر الحازمی النجدی (م ۱۲۸۳ھ)

بحوالہ: اتحاف النبلا ص ۴۱۳)

(بقیہ حاشیہ سابق) میں بہیں جیسے: (i) الصارم الہندی فی عنق النجدی للشیخ عطاء المکی (ii) رسالۃ للشیخ احمد المصری الاحسائی

یہ آخری کتاب بطور محاکمہ کے لکھی گئی ہے، جیساکہ کتاب کے نام اور اتحاف کے اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے۔

چونکہ ان میں سے اکثر کتابوں کا ذکر پہلے آچکا ہے، اس لئے ماخذ کے سلسلے میں مزید تبصرے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ یوں کافی چھان بین کیجائے تو یہ فہرست طویل ہوسکتی ہے[1] لیکن یہاں پورب کے اس خطے میں (پٹنہ عظیم آباد) عربی مطبوعات کا کوئی اچھا کتاب خانہ میسر نہیں جس سے عربی لکھنے پڑھنے والوں کو دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

هذا اخر ما اردنا جمعه فى هذا الكتاب

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

[1] ان کتابوں کے علاوہ ضمنی طور پر مندرجۂ ذیل تذکروں نے بھی سنین وفات اور دوسری تفصیلات کی تعیین میں بڑی مدد دی:۔

(i) سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر للمرادی

(ii) السحب الوابلة على ضرائح الحنابلة (مخطوطہ مشرقی کتاب خانہ) ـــــ اس کا مصنف بھی شیخ کی اور ان کی دعوت کی مذمت میں حد اعتدال سے بڑھا ہوا ہے

(iii) معجم المطبوعات (سرکیس)

(iv) الاعلام للزرکلی (تین جلدیں)

(v) جرمن مستشرق (C. BROCKELMANN) کی مشہور تاریخ ادب عربی (GESCHICHTE DER ARABISCHEN LITHERATURE) (دو جلدیں ۱۸۹۸ء و ۱۹۰۲ء ذیل کی دو جلدیں ۱۹۳۷ء) خاص کر ذیل کی دوسری جلد تو اس سلسلے میں اور بھی کارآمد ہے (vi) تقویم ہجری و عیسوی (انجمن ترقی اردو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
الف	۶	گھنگال	کھنگال	۸	۱۹	تعیین	تعیین
″	۸	نُدوی	ندوی	۱۰	۱۰	خیرہ	نخیرہ نہ
ج	۷	برسُول	برسول	″	۱۴	خانخاہ	خانقاہ
″	۱۱	نُدوی	ندوی	۱۱	۶	قروبین	قرویین
س	۴	محمد بن مسعود	محمد بن سعود	″	۱۲	ذرع	زرع
س	۳	انتساح حج	انشاع حج	۱۲	۵	اعرار	عرار
ص	۷	لغیر اللہ	غیر اللہ	″	۸	رَخْمَۃُ	رَحِمَہُ
″	۱۱	الحلف غیر اللہ	الحلف لغیر اللہ	″	۱۵	صدّی	صدی
″	۱۳	سنۃ	سنّۃ	″	۱۷	لامران	ادران
″	۱۷	سورۃ القرآن	سورا القرآن	″	۱۷-۱۸	اِلامیر	ا
۲	۱۱	الضیا	الضیاء	″	۱۸	اعرار	غرار
″	۱۲	السیاسۃ	السیاسیۃ	۱۵	۳	صدّی	صدی
″	۱۵	بحت	بحث	″	۱۰	جیبلہ	جُبَیلَہ
۵	۱۶	مآخذ	ماخذ	″	۱۱	قبریں منسوب	منسوب قبریں
″	۱۹	نباز	حجاز	″	۱۷	Hogarih	Hogarth:
۶	۱۴	جمادی لاآخری	جُمادی لاآخری	۱۶	۵	عنیبہ	عُیَیْنَہ
۸	۱۲	تعیین	تعیین	″	۲	غنزہ	عنزہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
١٦	١١	ام	اُمّ
″	١٢	التحفتہ	التحفة
″	″	النجدیتہ	النجدیة
″	١٣	نیز بتربتہ	نیز بترئة
″	″	الامامیں	الامامین
١٧	٢	عیینیہ	عُیَیْنَہ
″	٣	سلیمان علی بن	سلیمان بن علی
″	٤	الوابلة	الوابلہ
″	١٢	عُینیہ	عُیَیْنَہ
″	١٥	———	Nejd
١٨	١٦	پیگریمیج	پلگریمیج
″	″	———	Arabia
″	١٧	علط	غلط
″	١٨	مآخذوں	ماخذوں
٢٠	١٦	فقیہہ	فقیہ
٢٢	١٢	حامد نفقی	حامد فقی
٢٣	٦	عینیہ	عُیَینہ
″	٧	مارگولیوتھ	مارگولیوتھ
″	″	السن اسلام	انتش اسلام
٢٣	١٢		Arabia

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٢٣	١٦	wahhab	wahhaby
″	١٨		the Expansion of Islam
٢٥	١٤	اصلاح	اصلاح ،
″	١٨	قصیہ ہے	قصبہ جو
٢٦	١٩	حامد نفقی	حامد فقی
″	″	جابندار	جانبدار
٣٠	١٧	لکھّا	لکھا
٣١	١٨	امرنا سلیمان	"امرنا سلیمان"
٣٢	٥	تمسلتہ بہ	تمسکت بہ
٣٣	١٠	غثنیان	ثمنیان
٣٤	٢	غثنیان	ثنیان
″	١٠	جواب بیں	جواب میں
″	١١	عن المنکر	عن المنکر
		جہاد	اور جہاد
″	١٤	صلعم	صلی اللہ علیہ وسلم
″	١٥		مخالفین
″	١٩	چسم	چشم
٣٥	١٤	ثنبیان	ثنیان

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۵	۱۶	کانت ھذا	کانت ھذہٖ	۴۲	۹	دوروس	دوررس
〃	۱۸	شیخ ترک	شیخ کے ترک	〃	۱۱	بھی	بھی !
		عیینبہ	عیینہ	〃	۱۹	الد د	الد رد
۳۶	۵	بن معمر	ابن معمر	۴۳	۶	مستقبید	مستفید
〃	۱۸	شبیان	ثنیان	〃	۷	خوشبہ جینوں	خوشبو جینوں
〃			(م سنہ ۱۸۹ھ)	۴۴	۶	سبت	سب
〃	۱۹	امداد	آبدار	۴۵	۸	کے مکہ	کے داخلہ مکہ
۳۷	۱۵	کرتے	کرتے	۴۵	۱۰	اس رسالہ	اس رسالہ اور
۳۸	۸	قصیے	قصیے	〃	۱۵	انتداب	انتدب
〃	۱۰	قضاۃ	قضاۃ	۴۶	۷	ابن بشیر	ابن بشر
〃	۱۳	صنعا	صنعاء	〃	۱۰	پاشاہ	پاشا
〃	۱۶	العبد	البُعد	۴۷	۳	، ص ۲۱۰،	(ص ۲۱۰)
۳۹	۱۲	الد د	الدرّ	〃	〃	وحلان	دحلان
۴۰	۶	عبدالعزیز محمد	عبدالعزیز بن محمد	〃	۵	والدشیخ	والد، شیخ
〃	۱۲	احسا	احساء	〃	۷	(دوسرا باب	دوسرا باب :
〃	۱۸	صلعم	صلی اللہ علیہ وسلم			صہ)	صہ ۱۱۱)
۴۱	۵	نفرع	نفزع	〃	۸	عن التوحید	عن توحید
〃	〃	مفرع	مفزع	〃	۱۵	پاگرو	پالگریو
〃	۱۴	مطاتقت	مطابقت	۴۸	۲	گوری	گزریں
〃	۱۶	(سنہ ۱۲۰۷ھ	(سنہ ۱۲۰۷ھ)	〃	۳	رسالہ بعض	رسالہ بعض

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٤٨	١٠	فتوے مشرقی	فتوئے مشرقی	٥٣	١٠	الحبیبنی	الحنبلی
		کتاب خانہ	کتاب خانہ	٥٦	٤	وحلال	دحلان
〃	١٣	اقضا	قضا	〃	٤	خلاصتہ	خلاصۃ
〃	١٤	دیبا پہ	دیباچہ	〃	٥	البد	البلد
〃	١٥	یروکلمن	یروکلمن	٥٧	٣	سنہ ١١٥٧ء	سنہ ١١٥٧ھ
		(ذیل: ٢	(ذیل: ٢)	٥٨	٣	پہنچ حکے تھے	پہنچ چکے تھے
		٥٣٣)	٥٣٣) نے	〃	٤	مسعود	سعود
٤٩	٤	قضاءسے	قضاسے	〃	〃	شیح	شیخ
〃	١٥		سنہ ١٢٣٣ھ	٥٩	١٤	خلاصتہ	خلاصۃ
٥٠	١٧	(٢، ١٣٦)	(٢: ١٣٦)	٥٩	١٦	الرحلتہ	الرحلۃ
٥١	٢	(سنہ ١٨٦٢ ھ ١٢٧٩ء	(سنہ ١٨٦٢ء ١٢٧٩ھ)	٦٠	٢	روضتہ	روضۃ
〃	٨	عبداللہ	عبداللہ	〃	١٨	الی سنہ ١٢٠٢ھ	سنہ ١٢٠٢ھ
		ابن الشیخ	بن شیخ	٦١	٤	روضتہ	روضۃ
٥٢	١	رسالہ		٦١	١٧	علماء سو	علماء سوء
		عنوان المجد	× × ×	٦٢	١٠	الخامس	الخامس
٥٢	٣	الجہنتہ	الجہینۃ	〃	١٣	روضتہ	روضۃ
〃	٥	المجہتہ	المجحۃ	٦٤	٣	ڈالنی	ڈالتی
〃	١٨	فی رد	فی الرد	〃	١٧	الرحلتہ	الرحلۃ
〃	١٩	الہدیّہ	الہدیۃ			الحجازینہ	الحجازیۃ
٥٣	٦	سنہ شوال	شوال	٦٦	١	اسلاف	اسلاف

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۷	۵	من لم یحکم	من لم یُحکم
		السنیۃ	الستۃ
۶۷	۶	مجموعتہ	مجموعۃ
؍؍		الھدیتہ	الھدیۃ
		السنۃ	السنیۃ
؍؍	۱۶	انہم اعترفو	انہم اعترفوا
		استقامۃ	باستقامۃ
		حججہ	حجحجہ
؍؍		جحدوا	یجحدوا
۶۹	۱۶	وقعتہ	وقعۃ
		الخزمتہ	الخزمۃ
؍؍	۱۸	خلاصتہ	خلاصۃ
۷۰	۱	جمادی الاول	جمادی الاولٰی
؍؍	۲	خلاصتہ	خلاصۃ
؍؍	۱۲	تعارض	تعرض
۷۱	۳	الاحسا	الاحساء
؍؍	۶	واللہ الحمد	للہ الحمد
		والمنتہ	والمنۃ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۳	۷	النصمۃ	(النصیبۃ
		النبی	النبی
		وضعوھا	وضعوھا
		علی القبر)	علی القبر)
؍؍	۱۵	لکھی ہے	لکھا ہے
۷۴	۵	شعیوں	شیعوں
؍؍	۱۱	تصدیق	تصدیق
۷۵	۸	نہیں قلبی	ہمیں قلبی
؍؍	۱۵	زبادنی	زیادتی
؍؍	۱۸	میازرت	مبارزت
۷۶	۹	وابس	واپس
۷۷	۲	قبول	قبوں
۷۸	۲	فوجیوں نے	فوجیوں نے
		ضرورت کی	ضرورت کی
؍؍	۴	برگ ہارٹ	برک ہارٹ
؍؍	۱۲	علاصتہ	خلاصۃ
؍؍	۱۴	الھدیتہ	الھدیۃ
؍؍	۱۶	خلاصتہ	خلاصۃ
؍؍	۱۷	شبہات	الشبہات
۷۹	۱	ہوگی	ہوگئی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۹	۱۵	عل	غل
۸۰	۲	(۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء	(۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء
		تک	تک)
۸۱	۱۷	واسپس	واپس
〃	〃	مارچ واپریل	مارچ-اپریل
۸۲	۳	تہیبہ	تہیبہ
〃	۶	کرادئے	گرادئے
〃	۱۵	قحط سالی	قحط سالی
〃	۱۶	(حاضر: ج	(حاضر: ج
		ا صـ۲۶۴	ا صـ۲۶۴)؛
〃	〃	(ڈکشنری	: ڈکشنری
		آف اسلام	آف اسلام
		(صـ۶۶)	(صـ۲۶)؛
۸۳	۲	فتح ہوا	فتح ہوا
〃	۳	——	سپرد کرنے
			سے پہلے
〃	〃	قبہ شریعت	قبہ شریفہ
〃	۴	تقسیم کردیا	تقسیم کردیا-
〃	۵	——	قبہ کھول کر
〃	۷	——	دو جج پہلے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۳	۱۴	احمد زین	احمد زینی
		دحلان	دحلان
〃	۱۸	سبنیں	سنیین
۸۴	۹	(ملاحظہ ہو	(ملاحظہ ہو
		صــ)	صـ۳۷)
۸۵	۴	آمر بالمعروف	امر بالمعروف
〃	۱۳		برکتیں
۸۶	۱	برگشتہ پاؤگے	برگشتہ پاؤگے
〃	۸	مسالحت	مصالحت
〃	۱۰	اس طرح	اسی طرح
〃	۱۹	بسا اوقات	بسا اوقات
		پیدا کرلی	پیدا کرلی
		ہیں	ہیں -
		(قرصاں	(قرصان
		PiRates	(Pirates
۸۹	۵	قرمتی	قرصنی
〃	۶	یمباری	بمباری کی گئی
〃	۱۴	اعراق	عراق سے
			لے کر
〃	〃	ترک	ترک

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۹	۱۹	شاید اسی	شاید ایسے
۹۰	۱	کہا گیا ہے	کہا گیا ہو
〃	۶	۱۸۱۱ء / ۱۲۲۶ھ	(۱۸۱۱ء / ۱۲۲۶ھ)
〃	〃	بڑھا راستے	بڑھا۔ راستے
〃	۱۶	یرانج	برائج
〃	〃	پیش قدمی	نے پیش قدمی
۹۱	۲	پس	پیس
〃	۱۸	بسل	بَسَلْ
〃	〃	جس	جش
۹۲	۹	خلاصتہ	خلاصۃ
〃	۱۴	سنویہ کا	سلونیکا
۹۳	۱	الرحلتہ الحجازیہ	الرحلۃ الحجازیۃ
〃	۲	۸۹ برک	۸۹؛ برک
〃	〃	مسرور	سرور
〃	۸	الرحلتہ الحجازیۃ	الرحلۃ الحجازیۃ
〃	۹	خلاصتہ	خلاصۃ
۹۴	۶	شکایتہ کی	شکایت کی
			ہے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹۴	۹	لیکں اسی	لیکن اسی
۹۵	۴	جمادی الاول	جمادی الاولیٰ
۹۶	۱۳	مرتب ہوئی،	مرتب ہوتی۔
۹۷	۱	شیخ الاسلام	شیخ الاسلام
〃	۵	بھتی تفصیل	تھی، تفصیل
〃	۹	'برک ہارٹ	برک ہارٹ
〃	۱۲	بڑووں	بدوؤں
〃	۱۹	بڑے سے	بڑے سے بڑے
〃	۱۹	یکہ	یکہ
۹۸	۳	گھبرا	گھرا
〃	۹	دیبے کر	دے کر
〃	۱۱	جمادی الاول	جمادی الاولی
۹۹	۷	ندمت	مذمت
〃	۹	(ص ۹۲)	(ص ۹۲)-
		محمد علی	محمد علی
〃	۱۲	بناء پر	بنا پر
〃	۱۵	لگا بڑھ کر	لگا۔ بڑھ کر
〃	۱۶	تعین	تعیین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۰	۱	جنتھوں	جنتھوں	۱۰۶	۹	سنہر	شہر
″	۵	سعود	سعود نے	″	۱۴	غینز	عینزہ
″	۱۱	سبھوں	سبھوں نے	″	۱۷	حجاز بھیجا	حجاز بھیجا۔
″	″	بیجل	بیجل	۱۰۷	۱۸	تعین	تعیین
″	۱۸	زدیمر	زویمر	۱۰۸	۱	ید گویا	یہ گویا
۱۰۱	۱	سامنے اسے	سامنے اسے	۱۰۹	۲	جلسیوں	جلسوں
″	۱۶	معاسر	معاصر	″	۹	خلاصتہ	خلاصۃ
″	″	بن بشر	ابن بشر	″	۱۲	آیا صوفیا	ایا صوفیا
″	۷	ذکرنہیں	ذکر نہیں	″	۱۸	تعین	تعیین
		کرتے	کرتے۔	۱۱۱	۱۷	مدنیتہ	مدینۃ
″		نلبی	قلبی			الرسول	الرسول
۱۰۳	۱	(ص۱۱۳	(ص۱۱۳)	″	۱۹	الوابلتہ	الوابلۃ
″	۲	جبراتی	جبرتی	۱۱۲	۱۸	خلاصتہ	خلاصۃ
″	″	رائے	یہ رائے	۱۱۴	۱۰		(George
″	۱۸	ماردتمان	ماردتمان،				Forester
۱۰۵	۲	——	Rank				Sadlier)
″	۵	Armestice	Armistice	۱۱۵	۱۷	پائیدار	پائدار
″	۱۸	خلاصہ	خلاصۃ	۱۱۶	۹		His
۱۰۶	۲	عتیبۃ	عتیبہ	″	۱۳	"اٹھانا	"اٹھانا
″	۷	جمادی الآخر	جمادی الآخرۃ			چاہیے"	چاہیے"، تو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶	۱۴	"ترکوں" کو	اور "ترکوں" کو	۱۲۰	۱۶	سکنڈوہابی امپائر	"سکنڈ وہابی امپائر"
۱۷	۱۶	نہیں ہونے کی	نہیں ہوتے کی۔	۱۲۱	۱۲	(یعنی تجدی' عربی تعبیر والقوم ہے)	(یعنی تجدی': عربی تعبیر' والقوم ہے)
۱۸	۱	وسری جگہ (بحوالہ	دوسری جگہ (بحوالہ				
″	″	۱۰۲	۱۰۲)	″	۱۷	الرشد	الرشید
″	۷	درعیہ	درعیہ کے	۱۲۲	۷	ان کی	ان
″	۱۳	(۱۹۱۲ء کے	(۱۹۱۲ء			برائیوں	برائیوں
۱۱۹	۱	سعدی کا	سعدی کے	″	۱۲	آفسر	افسر
		نوحہ	نوحہ	″	۱۳	ملاحظہ ہو	ملاحظہ ہو۔
″	۴	دَبِیّ	دَبِیّ	۱۲۳	۱۳	(جملہ چھوٹ گیا ہے)	کیا اس پر کسی اظہار رائے کی ضرورت ہے؟
		بستمعا	لِتَسْمَعَا				
″	۶	ساجدینْ	ساجدینَ				
″	۷	——	ترکوا الدار				
			الانیسة	۱۲۳	۱۴	کھینچا،	کھینچا ہے۔
			بلقعا	۱۲۴	۲	عذر	غدر
″	۸	مصنتوا	مضوا	۱۲۵	۶	دقت نظری	دقت نظر
″	″	——	طیبہ	۱۲۶	۱	مبصر نے	مبصرین نے
″	۱۲	شیخ کی	شیخ کے			کہیں	

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲۶	۶	اہم ذو مصنف	اہم و مصنف	۱۳۶	۵	افسد تہٖ	افسد تہٗ
		ممالک)	ممالک)	۱۴۰	۹	تکبر	تکبیر
۱۲۸	۳	جس	جس	〃	۱۳	اثنانی	اثنانی
〃	۱۲	استفادہ	استعاذہ	〃	۱۴	او	اوسنۃ
۱۲۹	۲	بروکلمن	بروکلمن	〃	۱۵	امام حنبل	امام احمد بن حنبل
۱۳۰	۹	المسنۃ	السُّنَّۃ				
۱۳۱	۱	یہ کتاب	یہ کتاب	۱۴۱	۳	لقارض	تعارض
		گزری	نہیں گزری	〃	۱۱	عقائد	عقائد
۱۳۳	۲	ہوگیا ہے	کی گئی ہے	〃	۱۳	یہی	یہی
۱۳۳	۵	مجموعتہ	مجموعۃ	۱۴۲	۴	جسمیہ	جسمیت
〃	۹	〃	〃	〃	۶	اسفیلا	استیلاء
〃	۱۴	〃	〃	۱۴۳	۱۲	جسمیۃ	جسمیت
〃	۱۵	نصیحتہ	نصیحۃ	〃	۱۳	بےچوں	بےچون
〃	۱۷	مجموعتہ	مجموعۃ	〃	۱۴	لاتا ہے	لانا ہے
۱۳۴	۱۰	الجاہلیتہ	الجاہلیۃ	〃	۱۶	استواء	الاستواء
〃	۱۵	جن میں	جس میں	〃	۱۸	والسئول	والسؤال
〃	۱۹	استنتباط	استنباط	۱۴۴	۶	سعد بن	سعد بن
۱۳۵	۹	روضتہ	روضۃ			معاذ من ذی	معاذ،
〃	۱۰	〃	〃				ھن وذی
۱۳۶	۵	السیاسیۃ	السیاسۃ	〃	۸	الشعر	الشعری

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۴۵	۶	غمر بھا	نمر بھا	۱۵۶	۱۳	پدم	ہدم
〃	۸	تکییف	تکیبف	۱۵۹	۳	بتاتے	بتائے
〃	۱۰	تکینیف	〃	〃	۶	داعی اور	داعی
۱۴۶	۴	این نیمیہ	ابن تیمیہ	〃	۱۴	ہوسگے	ہوسکے
۱۴۷	۱۷	پیر چھوڑ	پیر پھوڑ	〃	۱۵	الحرکتہ	الحرکۃ
۱۴۸	۱۷		یکفرون			الوہابیہ	الوہابیۃ
۱۵۱	۱۲	روایت بہ	روایت میں			الضیاء	السیاسیۃ
		مکروہ	مکروہ				(الضیاء:
۱۵۲	۵	بجاھک	بجاہ صفیک				۸،۴)
〃	۱۴	موقع نہیں	موقع نہیں ؟	۱۶۰	۲	حزیر	حریر
〃	〃	الوسیلتہ	الوسیلۃ	〃	۸	قصیدے	قصیدے
〃	۱۷	جلاالعینین	جلاءالعینین	۱۶۳	۳	لفظ	لغط
〃	۱۸	الدرالنفید	الدرالنضید	۱۶۴	۱۰	احسانی	احسائی
۱۵۳	۴	ور	اور	〃	۱۴	عفائق	عقائق
〃	۱۵	یاکرم	یااکرم	〃	۱۵	الاحائی	الاحسائی
〃	〃	ابوذبہ	الموذبہ	〃	۱۸	الوابلتہ	الوابلۃ
〃	۱۶	الوذیہ	〃	۱۶۵	۱۶	ھذالمارد	ھذا المارد
〃	۱۹	الدرالنفیہ	الدرالنضید	〃	۱۸	الوابلتہ	الوابلۃ
۱۵۴	۱۰	ادوبحق	أوبحق	۱۶۶	۴	منتضمتہ	متضمنۃ
〃	۱۸	رکھتاہے	رکھتی ہے	۱۶۷	۱۶	رحمتہ اللہ	رحمۃ اللہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۹	۱۵	علطیوں	غلطیوں	۱۷۵	۴	سال لوٹا	مال لوٹا
۱۷۱	۱	ردالمختار	ردالمحتار	″	۶	یتریئیة	نبرئة
″	۸	واستیباجو	واستنباحو			الشیخن	الشیخین
″	۱۱	الدرالسنیة	الدررالسنیة	″	۱۴	‘تکفر’	‘تکفیر’
″	۱۸	اشاعت	اشاعت	۱۷۶	۱	یہ توحید	یہ توحید
″		السنہ	السنة	″	۶	الوہب	الوہبیت
۱۷۲	۶	لادارہ	لاواہرہ	″	۸	استنقاع	استنفاع
″	۱۲	ابل قبلہ	اہل قبلہ	″	۱۳	الوصیة	الوضیة
۱۷۳	۱	مانگنا	مانگنا	۱۷۷	۱۰	مانعیں	مانعین
″	۲	قضا	قضاء	۱۷۸	۲۰	قسمو	قسَمُوا
″	۱۰	عکی	علی			کل شی	کل شیء
″	″	ابی حنیفتہ	ابی حنیفة	۱۷۹	۳	ستر	سترًا
″	۱۳	المصوم	المعصوم			الحق	للحق
۱۷۴	۳	الدرالنصیہ	الدرالنضید	″	۶	وانا	دانا
″	۴	الشیخن	الشیخین			نفنع	نضع
″	۱۷-۱۶	الاوثان	الاوثان	۱۸۰	۲	الهدیة	الهدیة
″	۱۶	رحمتہ اللہ	رحمہ اللہ			السنینہ	السَّنِیَّة
″	۱۷	اولیاء	الاولیاء	″	۷	سوائے	سوا
″	۱۹	انداد	اندادًا	″	۱۸	قلادوں	قلاوون
۱۷۵	۲	بدءوہ	بدؤوہ	۱۸۱	۱۱	اسحکام	استحکام